ماہنامہ
اشرفیہ
حضور حافظ ملت نے فرمایا
اپریل ۲۰۱۳ء
مبارک حسین مصباحی

# مشمولات


| | | | |
|---|---|---|---|
| اداریہ | وہی چراغ بجھا جس کی لو قیامت تھی… | مبارک حسین مصباحی | ٣ |

**تحقیقات**

| | | | |
|---|---|---|---|
| فقہی تحقیق | زائد العرض بلاد میں سحری کا حکم (قسط اول) | مولانا شمس الہدیٰ مصباحی | ١٠ |

**فقہیات**

| | | | |
|---|---|---|---|
| آپ کے مسائل | کیا فرماتے ہیں…. | مفتی محمد نظام الدین رضوی | ١٣ |

**نظریات**

| | | | |
|---|---|---|---|
| فکر امروز | ملت کا سرمایہ ہے الجامعۃ الاشرفیہ | مولانا محمد اسحاق مصباحی | ١٦ |
| تاریخی حقائق | اسلام کا نظامِ عدل و توازن | مولانا محمد فروغ القادری | ١٨ |

**اسلامیات**

| | | | |
|---|---|---|---|
| افکار | دار القضا کی ضرورت | مفتی محمد مبشر رضا ازہر مصباحی | ٢٣ |

**عزیزیات**

| | | | |
|---|---|---|---|
| نقش حیات | حافظِ ملت اور اصلاح فکر و عمل | عطاء النبی حسینی | ٢٧ |
| نورولایت | ارشادات حافظ ملت کی معنویت | مولانا محمد عرفان قادری | ٣٢ |
| بزم اشرفیہ | جماعتِ سابعہ کی دینی و اشاعتی سرگرمیاں | محمد شاہد رضا | ٣٣ |

**سیاسیات**

| | | | |
|---|---|---|---|
| آئینۂ وطن | جنسی تشدد کے لیے ذمہ دار کون؟ | صابر رضا رہبر مصباحی | ٣٤ |

**بزم دانش**

| | | | |
|---|---|---|---|
| فکر و نظر | ٢٠١٤ء پارلیمانی انتخابات | ساجد رضا مصباحی / محمد عابد چشتی | ٣٩ |

**ادبیات**

| | | | |
|---|---|---|---|
| گوشۂ ادب | دیوان لطیفی اور تصوف | مولانا نصر اللہ رضوی | ٤٣ |
| نقد و نظر | انوار امام اعظم | مبصر: محمد طفیل احمد مصباحی | ٤٥ |
| خیابان حرم | نعتیں | تحسین عالم رضوی بھاگل پور / محمد طفیل چشتی / اخمسی قریشی | ٤٧ |

**مکتوبات**

| | | |
|---|---|---|
| صدائے بازگشت | محمد عرفان قادری / خواجہ ساجد عالم / غلام خیر الوری / محمد طاہر حسین / محمد عدنان رضا | ٤٩ |

**وفیات**

| | | |
|---|---|---|
| سفر آخرت | جامعہ اشرفیہ میں اسید الحق قادری کی شہادت پر تعزیتی اجلاس / مولانا قاری محمد نسیم القادری کا سانحۂ ارتحال / مولانا حبیب اختر مصباحی کی والدہ کا انتقال / مولانا محمد محبوب عزیز کی والدہ کا انتقال | ٥٣ |

**سرگرمیاں**

| | | |
|---|---|---|
| عالمی خبریں | جامعہ امام احمد رضا، نیو کاسل میں جلسۂ دستار بندی | ٥٣ |
| خیر و خبر | مبارک پور میں رحمت عالم کانفرنس / جشن غوث الوریٰ / جامعہ اشرفیہ کے نائب صدر ناظم اعلیٰ ایوارڈ سے نوازے گئے | ٥٥ |

اداریہ

### شہیدِ راہِ بغداد علامہ اُسید الحق محمد عاصم قادری

# وہی چراغ بجھا جس کی لَو قیامت تھی

مبارک حسین مصباحی

۲؍ جمادی الاولیٰ ۱۴۳۵ھ / ۴؍مارچ ۲۰۱۴ء کو بعد نمازِ مغرب خانقاہ قادریہ بدایوں کے چشم و چراغ حضرت مولانا اسید الحق محمد عاصم قادری کے تعلق سے یہ اندوہ ناک خبر ملی کہ وہ بغداد شریف کے قریب دہشت گردوں کے حملے میں شہید ہو گئے۔ یہ خبر سن کر پہلے تو یقین نہیں آیا لیکن مختلف مقامات سے جب یہی فون آنے لگے اور اطمینانِ خاطر کے لیے ہم نے بھی مختلف مقامات پر فون کیے تو یقین ہوا اور زبان سے آیتِ استرجاع دوہرائی۔ مولا تعالیٰ تنقید و تحقیق کے اس ابھرتے ستون کو جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام عطا فرمائے۔ آمین۔

افسوس راقم سطور ذہنی اور فکری طور پر بے حد محزون و مغموم ہے، مضامین کے انبار ہیں مگر دل و دماغ انتخاب کرنے سے قاصر ہیں کہ کیا لیا جائے اور کیا چھوڑا جائے۔ اب تو صرف ایک ہی بات بار بار دل و دماغ میں گشت کر رہی ہے کہ مولا تعالیٰ اپنے حبیب ﷺ کے طفیل شہید مکرم کو حضرت غوثِ اعظم شیخ عبد القادر جیلانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے خوشہ چینوں میں شامل فرمائے اور والدین کریمین، اہلِ تعلق اور اہلِ محبت کو صبر و شکر کی توفیق سے سرفراز فرمائے۔ آمین۔

راقم سطور بدایوں شریف متعدّد بار حاضر ہوا، لیکن کبھی خانقاہ قادریہ جانے کا اتفاق نہیں ہوا، یہ شاید جشن صد سالہ سے پہلے کی بات ہے کہ اپنے ایک عزیز کے ساتھ خانقاہ عالیہ قادریہ میں حاضری کا شرف حاصل ہوا، اس وقت آفس میں علامہ اسید الحق قادری، مفتی عبد الحکیم نوری، جناب یٰسین علی عثمانی وغیرہ موجود تھے، یہ حضرات اس خادم کو دیکھ کر پھڑک گئے، مولانا اسید الحق قادری نے واقعی اپنی محبت کا حق ادا کر دیا، ناشتے اور کھانے سے فراغت کے بعد آپ مجھے بدایوں کے معروف مزارات پر لے گئے، خانقاہی اکابر سے آپ کے تعلقات دیکھ کر ہم بے پناہ متاثر ہوئے اور خاص طور پر جب آپ اپنی خانقاہ کے بزرگوں کے مزارات پر لے کر پہنچے تو دل و دماغ نے بڑا گہرا اثر قبول کیا۔ مولانا اسید الحق قادری کے تعلق سے قدیم تعارف تھا مگر ملاقات کا یہ پہلا موقع تھا۔

عام روایت یہی ہے کہ دنیا سے جانے والوں کو اچھے القاب و خطابات سے یاد کیا جاتا ہے، مگر اس وقت جو ہم لکھ رہے ہیں، وہ اس روایت کی پابندی نہیں بلکہ دل کی آواز ہے۔ مولانا اسید الحق قادری کی شہادت نے واقعی اہلِ سنت کے درمیان کبھی نہ ختم ہونے والا خلا پیدا کر دیا ہے۔

مولانا اسید الحق قادری علیہ الرحمہ کی دستار فضیلت تاج الفحول حضرت علامہ عبد القادر بدایونی کے صد سالہ جشن میں ہوئی تھی۔ اس کانفرنس میں بڑی تعداد میں مشائخ عراق اور مفتیِ اعظم عدنان وغیرہ شخصیات نے بھی شرکت فرمائی تھی۔ ۲۲؍اکتوبر ۱۹۹۸ء کو نقیب الاشراف حضرت شیخ احمد ظفر گیلانی سجادہ نشین آستانۂ غوث اعظم بغداد شریف نے اپنے دست مبارک سے مولانا اسید الحق قادری کو جبہ پہنا کر جب عمامہ شریف باندھا تو پوری فضا نعروں کی گونج سے جھوم اٹھی۔ اس کانفرنس میں شرکت فرمانے والے علما اور مشائخ کی تعداد ۸۰؍ سے زیادہ تھی، اس موقع پر مولانا منظر چشتی آستانہ عالیہ صمدیہ مصباحیہ پھپھوند شریف نے منظوم ہدیۂ تبریک پیش فرمایا تھا، اس کا ایک بند ذیل میں پڑھیے؎

یہ سچا قول ہے تاریخ دُہراتی ہے اپنے کو — بہت بے چین ہے بادِ صبا یہ بات کہنے کو
کہ تم نے کر دیا پورا میاں سالم کے سپنے کو — تمھیں گزری ہوئی تاریخ دُہرانی مبارک ہو
مبارک ہو، مبارک ہو، مبارک ہو، مبارک ہو

مولانا اسید الحق قادری کی ولادت مولوی محلہ بدایوں میں ۲۳؍ ربیع الثانی ۱۳۹۵ھ / ۶؍مئی ۱۹۷۵ء میں ہوئی، مدرسہ عالیہ قادریہ بدایوں میں آپ نے حفظ قرآن کریم کیا اور اس کے بعد اپنے پدرِ بزرگوار حضرت شیخ عبد الحمید محمد سالم قادری دام ظلہ العالی اور خواجۂ علم و فن علامہ خواجہ

مظفر حسین رضوی علیہ الرحمہ وغیرہ اساتذہ سے درس نظامی کی تکمیل فرمائی۔ پانچ برس تک جامعہ ازہر شریف میں آپ نے " الاجازۃ العالیۃ" شعبۂ تفسیر وعلوم قرآن کی تکمیل فرمائی اور پھر وہیں تخصص فی الافتا دار الافتا المصریہ قاہرہ مصر میں کیا۔ جامعہ ملیہ اسلامیہ دہلی سے آپ نے علومِ اسلامیہ میں ایم.اے. کیا اور اب پی ایچ ڈی کرنے کی تیاری تھی۔

۱۹۹۸ء میں آپ جامعہ ازہر مصر گئے، جہاں آپ نے ۶؍ برس گزارے اور ۲۰۰۴ء میں اپنے وطن تشریف لائے۔ ہندوستان میں آپ نے مدرسہ عالیہ قادریہ بدایوں میں تدریس شروع فرمائی اور اپنے خاص انداز اور امتیازی نصاب سے طلبہ کو فارغ کیا۔ آپ عظیم محقق، بلند پایہ ناقد اور حیرت انگیز ترجمہ نگار تھے آپ تصنیف و تالیف میں بھی امتیازی مقام رکھتے تھے، مطبوعہ کتب و رسائل کی تعداد کثیر ہے، جب کہ متعدد کتب غیر مطبوعہ ہیں۔ چند کتابوں کی فہرست حسب ذیل ہے۔

(۱) حدیث افتراق امت، تحقیقی مطالعہ کی روشنی میں (۲) قرآن کریم کی سائنسی تفسیر، ایک تنقیدی مطالعہ (۳) احادیثِ قدسیہ اردو، ہندی، انگلش، گجراتی (۴) جدید عربی محاورات و تعبیرات (۵) تحقیق و تفہیم (۶) خامہ تلاشی، تنقیدی مضامین (۷) اسلام ایک تعارف۔ انگلش، ہندی، مراٹھی (۸) خیر آبادیات۔ (۹) اسلام، جہاد اور دہشت گردی (۱۰) اسلام اور خدمتِ خلق وغیرہ۔ ان کے علاوہ پچاس سے زیادہ مقالات و مضامین ہند و پاک کے مختلف رسائل و جرائد میں شائع ہو چکے ہیں۔ یہ کتابیں اس وقت زیر ترتیب و تصنیف تھیں، جن میں اکثر پر کافی کام ہو چکا ہے۔ (۱) امثال القرآن (۲) مطالعۂ بخاری (۳) تیرہویں اور چودہویں صدی کے علمی معرکے (۴) مشاہیر کے خطوط خانوادۂ عثمانیہ کے نام۔

ان کے علاوہ آپ نے عربی، فارسی کی کتابوں کے ترجمے تحقیق اور تخریج فرمائی اور اپنے آبا و اجداد کی کتابوں کو جدید ترتیب و تخریج اور تقدیم کے ساتھ شائع کیا۔ خانقاہ عالیہ قادریہ کے مشائخ اور مدرسہ قادریہ کے اکابر کی اب تک ۱۰۷ کتابیں شائع ہو چکی ہیں۔ ان کتابوں کی ترتیب و اشاعت اور تحقیق و تقدیم نگاری میں آپ کا بنیادی کردار ہے۔

شوال ۱۴۲۹ھ/مارچ ۲۰۱۰ء میں تاج دار اہل سنت حضرت شیخ عبد الحمید محمد سالم قادری زیب سجادہ خانقاہ قادریہ بدایوں شریف کے عہدِ سجادگی کو پچاس سال مکمل ہوئے، بعض وابستگان سلسلہ قادریہ نے خواہش ظاہر کی کہ اس موقع پر پچاس سالہ جشن منایا جائے، لیکن مولانا اسید الحق محمد عاصم قادری نے فرمایا کہ اس جشن کو ہم جشنِ اشاعت کے طور پر منائیں گے۔ اس موقع پر اکابر خانقاہ قادریہ اور علمائے مدرسہ قادریہ کی پچاس کتابیں جدید آب و تاب اور موجودہ تحقیقی و اشاعتی خدمات کی تاریخ میں شائع کی جائیں گی تاکہ یہ پچاس سالہ جشن یادگار بن جائے اور خانقاہ قادریہ کی تاریخ میں یہ جشن سنگ میل ثابت ہو۔ حضرت صاحبِ سجادہ کی سرپرستی اور مولانا اسید الحق قادری کی محنت و جستجو سے یہ جشن اشاعت منایا گیا اور بحمدہ تعالیٰ اب تک سو سے زیادہ کتابیں جدید رنگ و آہنگ کے ساتھ منظر عام پر آگئیں۔

ابھی یہ کاروانِ علم و قلم بڑی تیزی سے منزل کی جانب رواں دواں تھا کہ ایک قافلہ بغداد مقدس روانہ ہوا، غوثِ اعظم حضرت شیخ عبد القادر جیلانی رضی اللہ عنہ کی خانقاہ میں حاضری کا شرف حاصل کیا، عراق کی مختلف خانقاہوں میں حاضری کی دولت نصیب ہوئی، اسی دوران یہ قافلہ امام اعظم ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ کے مزارِ اقدس پر اکتساب فیض کے لیے جارہا تھا کہ دہشت گردوں کا نشانہ بن گیا اور شہر سلیمانیہ میں مولانا شہید معظم کے سر میں گولی لگی اور شہید ہو گئے۔ آپ کے ساتھ آپ کے والد گرامی اور برادر عزیز مولانا محمد عطیف قادری بھی تھے، خیر کسی طرح آپ کی لاش مبارک کو بغداد شریف لایا گیا اور غم و اندوہ کے ماحول میں آپ کو خانوادۂ غوث اعظم رضی اللہ عنہ کے قبرستان میں سپرد خاک کیا گیا۔ اس میں کوئی شبہ نہیں کہ جانے والا چلا گیا، غم و اندوہ کا سیلاب آیا اور کبھی نہ رکنے والا آنسوؤں کا سلسلہ بھی جاری ہوا، مگر مقامِ مسرت یہ ہے کہ پہنچی وہیں پہ خاک، جہاں کا خمیر تھا۔

مولانا اسید الحق قادری ایک باکمال مدرس تھے، آپ نے درجنوں طلبہ کو درس دیا، اور انھیں اعلیٰ کتابیں بھی پڑھائیں اور خاص بات یہ ہے کہ آپ نے اپنے تلامذہ کو قرطاس و قلم کا بھی خوگر بنایا۔ ان مطبوعہ کتب میں بعض کتابیں آپ کے تلامذہ نے بھی مرتب فرمائیں۔ مولانا عظیم محقق و ناقد بھی تھے۔ آپ نے مختلف موضوعات پر تحقیق و تنقید کا حق ادا کر دیا۔ مولانا محمد حنیف خاں رضوی بریلوی نے امام احمد رضا محدث بریلوی کی کتابوں سے احادیث اور تفاسیر کا ذخیرہ اخذ فرمایا اور حق یہ ہے کہ تحقیق و تدوین کا حق ادا کر دیا۔ ایک مقام پر ایک حدیث کا ترجمہ تو ملا مگر اس حدیث کا متن نہیں ملا، یہ ان کی دیانت داری تھی کہ انھوں نے اس مقام پر بیاض چھوڑ دی، کہ اگر کسی محقق کو حدیث مل جائے تو اسے رقم کر دیں اور مرتب کو مطلع فرمادیں۔ اس پر مولانا اسید الحق قادری کی نظر پڑی، آپ نے معمولی محنت سے اس حدیث کو تخریج کیا اور اسے جامِ نور دہلی میں بغرض اشاعت بھیج دیا۔ حیرت و مسرت یہ ہے کہ صرف سرسری طور پر نہیں بلکہ باضابطہ مولانا محمد حنیف رضوی کی محنتوں کو مبارک باد دی اور اسی حوالے

سے عالم عرب اور جامعہ از ہر مصر کا حوصلہ افزا رویہ بھی ظاہر کیا۔

جامع الاحادیث کے مرتب نے اپنے مقدمہ میں تحریر فرمایا ہے کہ:

”پوری کتاب میں صرف ایک حدیث ایسی ہے جس کا متن مجھے نہیں مل سکا، اس کے لیے بیاض چھوڑ دی گئی ہے کہ اگر کسی صاحب کو وہ متن مل جائے تو اپنے نسخے میں تحریر کر لیں اور ہمیں مطلع فرمائیں ہم شکریہ کے ساتھ آئندہ ایڈیشن میں شائع کر دیں گے۔“ (جامع الاحادیث، مقدمہ ص:۱۲، امام احمد رضا اکیڈمی، بریلی)

مولانا اسید الحق قادری لکھتے ہیں:

یہ عبارت پڑھ کر میں مرتب کی کشادہ قلبی اور علمی امانت و دیانت کا قائل ہوئے بنا نہیں رہ سکا، اگر وہ سرے سے اس حدیث کا ذکر ہی نہیں کرتے تو کون ان سے باز پرس کر سکتا تھا کہ ایک حدیث آپ نے درج نہیں کی ہے اور پھر فطری طور پر مجھے یہ تجسس بھی ہوا کہ آخر وہ کون سی حدیث ہے جو ایسے وسیع المطالعہ مرتب کی نگاہ سے بھی اوجھل رہی، تھوڑی سی تلاش کے بعد آخر وہ مقام مل گیا جہاں متن کے لیے بیاض خالی چھوڑا گیا ہے، جس حدیث کا متن نہیں مل سکا وہ یہ ہے۔“

”حضرت عبد اللہ ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: فرشتہ جو رحم زن پر مؤکل ہے جب نطفہ رحم میں قرار پاتا ہے اسے رحم سے لے کر اپنی ہتھیلی پر رکھ کر عرض کرتا ہے: اے رب میرے! بنے گا یا نہیں؟ اگر فرماتا ہے نہیں، تو اس میں روح نہیں پڑتی اور خون ہو کر رحم سے نکل جاتا ہے اور اگر فرماتا ہے ہاں! تو عرض کرتا ہے اے میرے رب! اس کا رزق کیا ہے؟ زمین میں کہاں کہاں چلے گا؟ کیا عمر ہے؟ کیا کام کرے گا؟ ارشاد ہوتا ہے: لوح محفوظ میں دیکھ کہ اس میں نطفہ کا سب حال پائے گا، پھر فرشتہ وہاں کی مٹی لاتا ہے جہاں اس کو دفن ہونا ہے، اسے نطفہ میں ملا کر گوندھتا ہے، یہ ہے اللہ تعالیٰ کا فرمان کہ زمین ہی سے ہم نے تمھیں بنایا اور اسی میں پھر ہم تمھیں لے جائیں گے۔“ (جامع الاحادیث، ج:۲، ص:۲۵)

مولانا اسید الحق قادری نے اس کی تلاش میں کچھ محنت کی اور اس کا متن مل گیا۔ مولانا لکھتے ہیں، ”اگر درست ہو تو آئندہ ایڈیشن میں شامل کر لیا جائے۔“

حدیث درج ذیل ہے:

”ان الملك الموكل بالارحام ياخذ النطفه من الرحم فيضعها على كفه ثم يقول يارب مخلقة أوغير مخلقة فإن قال مخلقة قال ماالرزق ما الاثر ما الاجل فيقال انظر فى ام الكتاب فينظر فى اللوح فيجد فيه رزقه واثره واجله وعمله ثم ياخذ التراب الذى يدفن فى بقعته فيعجن به نطفته فذلك قوله الكريم منها خلقناكم وفيها نعيدكم.“

حکیم ترمذی نے اپنی کتاب ”نوادر الاصول“ میں حدیث پاک کا ذکر فرمایا ہے۔

(نوادر الاصول فی احادیث الرسول، ج:۱، ص:۲۶۷، دار الجیل، بیروت، الطبعۃ الاولیٰ ۱۴۱۲ھ)

حدیث کا متن ذکر فرمانے کے بعد مولانا قادری لکھتے ہیں: اس حدیث کو حکیم ترمذی ہی کے حوالے سے امام سیوطی نے بھی اللآلی المصنوعہ ج:۱، ص:۲۸۴، ۲۸۵، دار الکتب العلمیہ، بیروت الطبعۃ الاولی، ۱۴۱۷ھ میں نقل کیا ہے۔

امام قرطبی نے بھی اس حدیث کو اپنی تفسیر الجامع لاحکام القرآن، (تفسیر قرطبی) ج:۶، ص:۲۸۷، ۲۸۸، دار الشعب القاہرہ، المطبوعۃ الثانیہ، ۱۳۷۲ھ میں حافظ ابو نعیم کے حوالے سے نقل فرمایا ہے۔

مولانا اسید الحق قادری اس تفصیل کے بعد لکھتے ہیں:

”حکیم ترمذی اور ابو نعیم دونوں نے اس حدیث کو سیدنا ابن مسعود سے بطریق مرہ روایت کیا ہے، جامع الاحادیث میں نقل کردہ ترجمہ میں یہ جملہ بھی ہے کہ ”اگر فرماتا ہے نہیں تو اس میں روح نہیں پڑتی اور خون ہو کر رحم سے نکل جاتا ہے۔“

اس کے بعد مولانا اسید الحق قادری لکھتے ہیں۔

”ہم نے اوپر جو متن نقل کیا ہے اس میں یہ جملہ نہیں ہے، قرطبی والی روایت میں بھی یہ جملہ نہیں ہے، در اصل یہ جملہ ایک دوسری روایت میں موجود ہے، جس کا ابتدائی حصہ تو ہماری نقل کردہ حدیث کے ہم معنیٰ ہے، مگر آخری حصہ ذرا مختلف

ہے، اس کو امام ابن جریر طبری نے حضرت ابن مسعود سے بطریق علقمہ روایت کیا ہے۔ وہ حدیث یہ ہے:

النطفة إذا استقرت فی الرحم اخذها ملك بكفه فقال يا رب مخلقة أو غير مخلقة فإن قيل غير مخلقة لم تكن نسمة و قذفتها الارحام دماً و إن قيل مخلقة قال أي رب ذكر او انثى شقي أو سعيد، إلى آخر الحديث. (تفسير الطبري، ج:٧، ص:١١٧، دار الفكر، بيروت ١٤٠٥)

حافظ ابن کثیر نے بھی اس کو ابن ابی حاتم اور ابن جریر طبری کے حوالہ سے اپنی تفسیر میں نقل کیا ہے۔ (تفسیر ابن کثیر، ج:۳، ص:۲۰۸، دار الفکر، بیروت ۱۴۰۱) حافظ ابن حجر عسقلانی نے اس حدیث کو نقل کرکے فرمایا ہے: "اسناده صحيح و وهو موقوف لفظا.." (فتح الباری، ج:۱، ص:۴۱۱، دار المعرفہ بیروت ۱۳۷۹) اس حدیث کو حافظ ابن رجب علی حنبلی نے بھی نقل کیا ہے۔ (جامع العلوم والحکم، ج:۱، ص:۵۰، دار المعرفہ، بیروت، الطبعۃ الاولی ۱۴۰۸۔

(تحقیق و تفہیم، ص:۱۴۴، ادارہ فکر اسلامی، دہلی)

مولانا اسید الحق قادری کی روح کا اضطراب تھا کہ انھوں نے اس حدیث کے متن کا استخراج کیا، کیوں کہ ان کے خمیر میں جس مٹی کو گوندھا گیا تھا وہ حضرت غوث اعظم بغدادی کے قبرستان کی مٹی تھی۔ اللہ تعالیٰ انھیں اس مٹی کے برکات و حسنات سے شاد کام فرمائے۔ آمین۔

مولانا اسید الحق قادری علم و روحانیت کے ماحول میں پروان چڑھے، علوم و فنون میں ان کی خانقاہ اور درس گاہ صدیوں سے مشہور ہے، تاریخی شواہد کی روشنی میں ان کی خانقاہ قادریہ ۸۰۰ سالہ قدیم ہے اور پورے تسلسل کے ساتھ یہ خانقاہ علم و روحانیت کی خدمات انجام دیتی رہی ہے۔ ان کے آبا و اجداد میں ایک سے ایک فضلائے روزگار گزرے ہیں، یہ اہلِ علم صرف اہلِ علم ہی نہیں بلکہ عشق و عرفان اور تصوف و روحانیت کے میدانوں میں بھی یکتائے روزگار تھے، اس عثمانی خاندان کی عقیدت و محبت کا رشتہ صدیوں سے خانقاہ عالیہ عالیہ قادریہ برکاتیہ مارہرہ مطہرہ سے ہے، مولانا ایک بلند پایہ محقق اور عظیم مصنف ہونے کے باوجود تصوف و روحانیت کے معاملات میں بھی امتیازی مقام رکھتے تھے۔ "جامِ نور" دہلی کے علمی مباحثوں میں بھی آپ نے بھرپور لکھا، ایک بار "جامِ نور" کا عنوان تھا۔ "دعوت و تبلیغ کے لیے خانقاہی نظام کتنا مؤثر ہے؟"

مولانا اسید الحق قادری نے ہندوستانی خانقاہوں کا سرسری جائزہ لیتے ہوئے لکھا: "اگر ہمارے یہاں کے خانقاہی نظام کا تقابل مصر کے خانقاہی نظام سے کیا جائے تو یہ ہوش رُبا حقیقت سامنے آتی ہے کہ ان دونوں میں وہی فرق ہے جو ایک چلتے پھرتے انسان اور ایک بے جان مردہ جسم میں ہوتا ہے۔ مثال کے طور پر میں یہاں چند باتوں کی طرف سرسری اشارہ کرنا چاہتا ہوں۔" (تحقیق و تفہیم، ص:۲۵۴، ادارہ فکر اسلامی، دہلی)

مولانا نے مصر کے خانقاہی نظام کے آٹھ امتیازات شمار کرائے ہیں، ہم ذیل میں ان کی تلخیص رقم کرتے ہیں:

(۱) مصر کے مشائخ طریقت ذی علم ہوتے ہیں، آج تک مولانا کی ملاقات کسی ایسے شیخ سے نہیں ہوئی جس کو علمِ ظاہری کے بجائے علمِ لدنی کا دعویٰ ہو۔

(۲) ہر خانقاہ میں نہایت پابندی سے اذکار و اوراد کی ہفتہ وار مجالس منعقد ہوتی ہیں اور یہ خصوصیت صرف قاہرہ مصر کی نہیں بلکہ دیگر مقامات پر بھی باضابطہ روحانی مجالس کا انعقاد ہوتا ہے۔

(۳) بعض خانقاہوں میں ہفتہ وار درس قرآن، درس حدیث اور درسِ تصوف بھی ہوتا ہے۔

(۴) خانقاہوں میں باہم کوئی چپقلش نہیں بلکہ حسب حیثیت ایک دوسرے کی تعظیم و توقیر کرتے ہیں۔

(۵) خانقاہی علما و مشائخ خود کو واجب التعظیم نہیں سمجھتے اور نہ دست بوسی اور قدم بوسی کو اپنا پیدائشی حق سمجھتے ہیں، ایک دوسرے کا جھوٹا پانی تبرکاً پینا اور ایک دوسرے کے لیے تعظیماً کھڑے ہو جانا ان کی عادت میں شامل ہے۔

مولانا اس کی مزید تفصیل کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"اس سے زیادہ حیرت انگیز واقعہ سنیے، یمن کے ایک بزرگ ہیں، شیخ حبیب علی الجعفری، یہ جید عالم ہیں اور بہترین خطیب ہیں، مصر میں ان کے ہزاروں مریدین ہیں، اور تقریباً ہر سال مصر کا دورہ کرتے ہیں، جب بھی مصر آتے ہیں تو مختلف خانقاہوں میں ان کے درس اور تقریریں ہوتی ہیں، متعدد بار یہ دیکھ کر مجھے ماضی کے صوفیا یاد آ گئے کہ جس خانقاہ میں ان کے درس کی محفل تھی اس خانقاہ کے صاحبِ سجادہ نے اپنی خانقاہ میں آئے ہوئے بیسیوں لوگوں کو ان کا مرید کروایا، کیا ہندوستان

میں کسی ایسے منظر کا آپ تصور کر سکتے ہیں، ہمارے یہاں تو حال یہ ہے کہ ممکن ہے کہ دو شیر کسی طرح ایک جنگل میں رہنے پر سمجھوتہ کر لیں، مگر دو پیر ایک حلقے میں نہیں رہ سکتے۔" (تحقیق و تفہیم، ص:۲۵۵، ادارہ فکر اسلامی، دہلی)

(۶) مصر میں مرید ہونے کے بعد اس میں واضح تبدیلی آجاتی ہے، آپ کسی مسجد میں با جماعت نماز ادا کریں، نماز کے بعد جو شخص تسبیح پڑھنا شروع کر دے، یا چھوٹا پنج سورہ نکال کر پڑھنا شروع کر دے تو آپ سمجھ لیں کہ یہ کسی کا مرید ہے۔

(۷) یہاں خانقاہیں رفاہی کاموں میں بڑھ چڑھ کر اپنا کردار ادا کرتی ہیں، ایسی بہت سی خانقاہیں ہیں جہاں سے از ہر شریف کے مصری اور غیر ملکی طلبہ کے لیے ماہوار وظیفے مقرر ہیں۔

(۸) قاہرہ سے تقریباً آٹھ سو کلو میٹر دور جنوب میں ایک شہر ہے، الاقصر، وہاں مولانا اسید الحق قادری نے دو بار قیام فرمایا۔ ایک بار ۲۵ روز اور ایک بار ۱۲ روز۔ الاقصر میں تین بڑی خانقاہیں ہیں، خانقاہ طیب، خانقاہ رضوانیہ اور خانقاہ جیلانیہ، وہاں زمین و جائداد کے جھگڑے ہوں یا گھریلو مسائل، عدالتوں اور کچہریوں میں مقدمہ بازی کے بجائے اس قسم کے زیادہ تر مسائل کا تصفیہ خانقاہی سطح پر کر دیا جاتا ہے۔

مولانا اسید الحق قادری کی نظر تاریخ و سیر پر بھی بہت گہری تھی اور یہ تحقیقی نظر صرف اپنے خانوادے کے اکابر تک محدود نہیں تھی بلکہ اہلِ سنت کی تاریخ ان کی نگاہوں میں رہتی تھی، گزشتہ دنوں جب استاذ مطلق علامہ فضل حق خیر آبادی کا ڈیڑھ سو سالہ جشن منائے جانے کا منصوبہ بنا تو مولانا نے "خیر آبادیات" کے موضوع پر ایک انتہائی وقیع کتاب لکھی، اس کتاب پر تبصرہ کرتے ہوئے مولانا یٰسین اختر مصباحی لکھتے ہیں:

"زیر نظر کتاب "خیر آبادیات" ایک محققانہ، فاضلانہ اور مؤرخانہ دستاویز ہے، جسے ہند و پاک کے اہلِ علم و فضل نہ صرف قدر و منزلت کی نگاہ سے دیکھیں گے بلکہ اسے خیر آبادیات کا ایک گراں قدر مجموعہ اور بیش قیمت مرقع قرار دیں گے۔"

(خیر آبادیات، ص:۱۶، تاج الفحول اکیڈمی، بدایوں)

اس کتاب میں مصنف نے خانوادۂ خیر آباد کے متعدّد گوشوں پر تحقیق فرمائی ہے تفصیل کی یہاں گنجائش نہیں، اس کا ایک ذیلی عنوان ہے "خانوادۂ خیر آباد کی اہلِ علم خواتین" مولانا نے اس عنوان کے ضمن میں تین اہلِ علم خواتین کا تذکرہ بڑی خوب صورتی سے فرمایا ہے۔ یہ خواتین واقعی معقول و منقول اور علومِ ادبیہ میں خاصا درک رکھتی تھیں، ان خواتین کا ذکر عام طور پر یک جا نہیں ملتا، بلکہ متعدّد مقامات پر ضمناً ذکر آ گیا ہے، مولانا نے انتہائی محنت سے ان تین خواتین کے حوالے سے شواہد کی روشنی میں تحریر فرمایا ہے۔ اب ہم ذیل میں مصنف کی تحقیقات کا خلاصہ رقم کرتے ہیں۔

(۱) بی بی سعید النسا حرماںؔ خیر آبادی: انھوں نے درسیات کی تکمیل اپنے والد ماجد علامہ فضل حق خیر آبادی سے کی، انھیں کے بارے میں مولانا عبد الحق خیر آبادی اکثر فرمایا کرتے تھے: "اچھا ہوا سعید النسا بہن ہوئیں ورنہ ان کے سامنے ہمیں کون پوچھتا"۔ (باغی ہندوستان، ص:۳۳۳)

بی بی حرماںؔ خیر آبادی ایک بار ٹونک تشریف لے گئی تھیں، علامہ حکیم برکات احمد ٹونکی کے صاحب زادے مولانا حکیم سید محمد ٹونکی اپنا مشاہدہ تحریر فرماتے ہیں، ہم ذیل میں اس تاثر کا آخری حصہ نقل کرتے ہیں:

"مجھے اور میرے خاندان کو یہ عزت حاصل ہوئی، مجھے اچھی طرح یاد ہے اور آج بھی وہ تصویر آنکھوں میں پھر رہی ہے کہ استاذ الہند مولانا برکات احمد صاحب قبلہ بی بی صاحبہ کے سامنے گردن جھکائے مؤدب ایک بے علم انسان کی طرح بیٹھے ہیں اور ان کے جوشِ تقریر کا یہ عالم کہ کسی موضوع پر نہیں رکتیں، ضعیف القویٰ تھیں، کبیر سن تھیں، اعضا میں رعشہ تھا، مگر معلوم ہوتا تھا، تمام قوتیں قوتِ ناطقہ میں منجذب ہو گئی ہیں، کیا تقریر تھی، کیا اتار چڑھاؤ تھا، کیا شستگی تھی، کیا برجستگی تھی، کیا پر رعب آواز تھی۔" (مولانا حکیم سید برکات احمد، سیرت اور علوم، ص:۱۰۳، ۱۰۴)

حضرت حرماںؔ خیر آبادی کی کسی تصنیف کا پتہ نہیں چلتا، البتہ ان کے اردو اور فارسی شاعری کے کچھ نمونے مولانا عبد الشاہد خاں شیروانی نے "باغی ہندوستان" میں اور مفتی نظم الحسن خیر آبادی نے "خیر آباد کی ایک جھلک" میں محفوظ کر دیے ہیں۔

(۲) حضرت ہاجرہ بی خیر آبادی: آپ مولانا عبد الحق خیر آبادی کی زوجہ محترمہ ہیں۔ مولانا برکات احمد ٹونکی مولانا عبد الحق خیر آبادی کی درس گاہ میں پڑھ رہے تھے تو ان کو احساس ہوا کہ اب وہ عالم ہو گئے، مگر حالات کے پیشِ نظر مولانا عبد الحق خیر آبادی سے اجازت لینے میں خوف محسوس

ہوا تو آپ اجازت لینے کے لیے ان کے گھر پہنچے۔ بی بی صاحبہ نے پردے کے پیچھے سے پوچھا، بیٹا کتنا پڑھ لیا؟ مولانا نے ادب سے عرض کیا کہ نصاب درس کی تکمیل کر لی ہے اور میر زاہد امور عامہ تک پڑھ لیا ہے۔ امور عامہ کا نام سن کر ہنستے ہوئے فرمایا "بھئی امور عامہ تک پڑھ کر خود کو فارغ اور فاضل سمجھ رہے ہو، کیا میں امور عامہ کے متعلق کوئی سوال پوچھ سکتی ہوں؟ بیٹے امور عامہ تک تو اس خاندان کی مستورات بھی شد بد رکھتی ہیں، اس گفتگو کے بعد مولانا نے عرض کیا، میں اپنے فیصلے پر نادم ہوں، آپ سے استقلال کی دعا کی درخواست ہے۔

(ملخصًا، از مولانا حکیم سید برکات احمد، سیرت اور علوم، ص:۱۵۴،۱۵۵)

(۳) بی بی رقیہ: آپ مولانا عبد الحق خیر آبادی کی صاحب زادی تھیں، یہ عالمہ اور فاضلہ تھیں، ان کی ایک کتاب جس کا آج تک کسی نے ذکر نہیں کیا: "تفسیر طیبات بینات" معروف بہ "صراطِ مستقیم" ہے۔ کتاب کا نام مولانا برکات احمد ٹونکی نے رکھا ہے۔ اس کتاب پر تصدیق و تقریظ علامہ برکات احمد ٹونکی اور مولانا بشیر احمد خاں رام پوری نے لکھی۔"

مولانا اسید الحق قادری اس کے تعارف میں لکھتے ہیں:

"اس تفسیر کا ایک نایاب قلمی نسخہ خانقاہ صمدیہ پھپھوند شریف (یوپی انڈیا) کے کتب خانے میں محفوظ ہے۔ اس نسخے کا عکس کتب خانہ قادریہ بدایوں میں ہے جو اس وقت ہمارے پیشِ نظر ہے، یہ تفسیر بڑی تقطیع پر ۱۷۹ اصفحات پر مشتمل ہے، جلی خط میں ہر صفحہ پر پندرہ سطریں ہیں، اس نسخے کے کاتب نثار احمد خیر آبادی بن مشیر احمد ابن بشیر احمد خان بہادر ہیں۔"

مولانا اسید الحق قادری مزید لکھتے ہیں:

"کتاب کی زبان نہایت آسان ہے، ترجمہ بہت سادہ الفاظ میں کیا گیا ہے، تاکہ عام آدمی سمجھ سکے، تفسیر میں کسی قسم کے علمی مباحث کو نہیں چھیڑا گیا ہے، آیتِ کریمہ سے جو ایک عمومی مفہوم مستفاد ہوتا ہے، جس کا براہ راست تعلق فرد یا معاشرے کی اصلاح سے ہے اس کو داعیانہ اور مصلحانہ اسلوب میں بڑی سادگی سے بیان کر دیا گیا ہے، کہیں کہیں اودھ کی عام بول چال کا اسلوب بھی نظر آتا ہے۔ اور بعض جگہ ایسا محسوس ہوتا ہے کہ مصنفہ آپ کے روبرو بیٹھ کر گفتگو فرما رہی ہیں۔"

(خیر آبادیات، ص:۳۲، تاج الفحول اکیڈمی، بدایوں)

مولانا اسید الحق قادری نے جامعہ ازہر مصر کے دوران تعلیم اپنے منصوبوں کی ایک ڈائری بنائی تھی، ان میں خاص طور پر بریلی شریف سے اختلافات بھی مد نظر تھے، آپ نے اس میں لکھا تھا کہ کوئی بھی اختلاف طرفین کی پیش قدمیوں سے ہوتا ہے، اگر سامنے والا اپنی روش سے باز نہ آئے تو اختلاف ختم کرنے کی صورت یہ ہوگی کہ ایک فریق اپنے بلند کردار و عمل کا مظاہرہ کرے اور صبر و تحمل کے ساتھ اپنے مثبت کاموں پر نظر رکھے، حضور حافظ ملت علیہ الرحمۃ کا مشہور قول ہے، "ہر مخالفت کا جواب کام ہے"۔ آپ نے اس پر عمل بھی کیا اور اپنے خاندان اور تربیت یافتگان کو بھی اسی نہج پر چلنے کی تلقین فرمائی۔ آپ نے ہزار اختلافات کے باوجود رضویات کے حوالے سے بھی تحریریں لکھیں اور بڑی آسانی کے ساتھ اپنے مقصد اور منزل کی جانب رواں دواں رہے اور خاص بات یہ ہے کہ جو کام ہو جاتے اس پر نشان لگا دیتے کہ یہ کام حسن و خوبی ہو گیا، آپ کے چند کارنامے اور منصوبے ہم ذیل میں رقم کرتے ہیں۔

(۱) **خانقاہ عالیہ قادریہ کی توسیع** - اس رخ پر آپ نے بھرپور توجہ دی، جدید عمارتیں بنوائیں اور مزید بنوانے کا ارادہ تھا، اب ارادہ یہ تھا کہ خانقاہ کا گیٹ سیدنا غوث اعظم عبد القادر جیلانی رضی اللہ عنہ کے گیٹ کی طرح خانقاہ عالیہ قادریہ بدایوں کا گیٹ بھی تعمیر کرائیں، اس سلسلے میں دہلی کے انجینئروں سے بھی رابطہ شروع کر دیا تھا۔

(۲) **مدرسہ عالیہ قادریہ بدایوں** کی نشاۃِ ثانیہ فرمائی، مولانا کا ارادہ تھا کہ بیرون شہر وسیع زمین حاصل کی جائے، اس سمت میں آپ نے کام شروع کر دیا تھا، وسیع زمین خرید لی تھی اور مزید زمین حاصل کرنے کا ارادہ تھا، مولانا نے باضابطہ تدریس کا آغاز بھی کر دیا تھا۔ تین جماعتیں ۲۰/۲۰/ طلبہ کی سند فراغت بھی حاصل کر چکی تھیں اور یہ تعلیم و تربیت کا سلسلہ بڑی تیزی سے جاری تھا۔ مولانا نے اب تک جن جماعتوں کو فارغ کیا تھا، انھیں اعدادیہ سے دورے تک خود پڑھایا اور قرطاس و قلم کی بھی تربیت دی۔

(۳) **نقویہ کالج (برائے خواتین)** بدایوں شہر میں پہلے ہی سے چل رہا تھا، آپ نے اس جانب بھی بھرپور توجہ دی،

اس میں قریب دو ہزار بچیاں زیر تعلیم ہیں اس کالج کا بھی ضلع بھر میں نمایاں کردار ہے۔

(۴)**الازہر انسٹی ٹیوٹ، بدایوں** -اسے ہندوستان کی دو بڑی یونیورسٹیز سے ملحق کرایا، اس میں ہر سال اسکول اور کالج کے طلبہ کی دینی اور علمی تربیت فرماتے اور آگے بڑھانے کی مسلسل کوشش فرماتے، اس طرح آپ نے عصری علوم وفنون کے میدان میں بھی گراں قدر خدمات انجام دیں۔

(۵)**مدرسہ شمس العلوم بدایوں** یہ ادارہ ان کے آبا و اجداد کی محنتوں کا نتیجہ ہے اس میں ایک بڑی لائبریری بنام مولانا عبدالماجد پبلک لائبریری کا قیام فرمایا اور عام طلبہ کے لیے ایک باضابطہ کمپیوٹر شعبہ قائم کیا۔

(۶)**مدرسہ عالیہ قادریہ** کے زیر اہتمام مدارس کے طلبہ کے درمیان علمی مباحثے کراتے، اس میں دیگر مدارس کے ساتھ جامعہ اشرفیہ مبارک پور کے طلبہ بھی شریک ہوئے۔ ان پروگراموں میں اہل علم ودانش کے موضوعاتی خطابات بھی ہوتے۔

(۷)**الازہر انسٹی ٹیوٹ بدایوں کی شاخیں** اس انسٹی ٹیوٹ کی پونے اور اورنگ آباد مہاراشٹر وغیرہ میں مختلف شاخیں بھی قائم کیں، جو اپنے اپنے حلقۂ اثر میں بڑی تندہی کے ساتھ خدمات انجام دے رہی ہیں۔

(۸)**عصری علوم کے طلبہ کا دینی ورک شاپ** گرمیوں کی تعطیل کلاس میں اسکول اور کالجز کے طلبہ کو باضابطہ علمی اور دینی معلومات فراہم کراتے اس میں ہائی اسکول سے ایم۔ اے۔ تک کے طلبہ شریک ہوتے عام طور پر ان کی تعداد ایک ہزار کے قریب ہوتی۔

(۹)**جامع مسجد، مسجد شمسی بدایوں** میں آپ ہر جمعہ کو خطاب فرماتے اور ہفتہ وار درس قرآن اور درسِ حدیث بھی دیتے۔

(۱۰)**شخصیاتی انسائیکلو پیڈیا** -اس عظیم کام کے لیے مولانا کا منصوبہ یہ تھا کہ آبا و اجداد کی کتابوں کی اشاعت کے بعد ایک عالمی شخصیاتی انسائیکلوپیڈیا مرتب فرمائیں، مولانا کا کہنا تھا کہ اس قسم کے کام عالم عرب میں ہوئے ہیں مگر افسوس برصغیر کی شخصیات کا اس میں کوئی ذکر نہیں اور اگر ہے بھی تو غلط طور پر ہے، اس کی اصلاح وقت کی بنیادی ضرورت ہے مولانا کا فرمانا تھا کہ اس کام کو ہم تنہا نہیں بلکہ ایک ٹیم ورک کے طور پر مکمل کیا جائے گا۔

(۱۱)**انٹر نیشنل صوفی کانفرنس دھلی** -رام لیلا میدان دہلی میں ایک انٹرنیشنل صوفی کانفرنس کا انعقاد کریں گے، اس کے لیے باضابطہ پچاس لاکھ روپے کا تخمینہ تھا اور اس سلسلہ میں بھی کام شروع ہو چکا تھا۔

مولانا اسید الحق قادری بدایونی عزائم اور منصوبوں کا ایک جہان لے کر دنیا سے چلے گئے، مولانا نے اپنے کردار واخلاق سے ایک جہاں کو اپنا شیدائی اور فدائی بنالیا تھا، ان کی رحلت کے بعد مختلف مقامات سے تعزیتی فون آئے اور بڑی اہم شخصیتوں نے اظہارِ تعزیت فرمایا، ان سب کی تفصیلات کا موقع نہیں، ہم ذیل میں صرف تعزیت فرمانے والے چند مشائخ اور علما کے اسمائے گرامی پیش کرتے ہیں۔ ان میں چند نے تحریری طور پر تعزیتی کلمات ارسال فرمائے ہیں۔

(۱)خانقاہ برکاتیہ مارہرہ مطہرہ کے نائب سجادہ نشین مرشدِ طریقت حضرت سید شاہ نجیب حیدر میاں قادری، خطیب اسلام علامہ قمرالزماں اعظمی، مولانا شاہد رضا نعیمی، مولانا محمد اسماعیل مصباحی برطانیہ، مولانا ممتاز احمد مصباحی برطانیہ، مولانا یٰسین اختر مصباحی دہلی، مولانا مفتی عبدالمنان کلیمی مراد آباد، ڈاکٹر شکیل اعظمی، مولانا خوشتر نورانی، مولانا نوشاد عالم مصباحی ساؤتھ افریقہ، مولانا فتح احمد مصباحی ساؤتھ افریقہ، مولانا فروغ القادری انگلینڈ مفتی محمد رضا قادری جامعہ نظام الدین دہلی، محمد افروز قادری ساؤتھ افریقہ، مولانا غلام رسول دہلی، مولانا محمد عرفان ازہری دہلی، ڈاکٹر عبدالحکیم ازہری کیرالہ، عبدالکریم ثقافی، پروفیسر سید شاہ شمیم الدین منعمی، مفتی محمد انفاس الحسن چشتی، مولانا ساجد رضا مصباحی، مولانا غلام جیلانی مصباحی، مولانا محمد ناصر منیری، قاری نور الہدیٰ مصباحی وغیرہ وغیرہ۔

دعا ہے مولا تعالیٰ اپنے حبیب ﷺ کے طفیل انھیں حضرت غوث اعظم جیلانی بغدادی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا فیض عطا فرمائے اور ان کی خدمات کو عام فرمائے، ان کے والدین کریمین، اہلِ تعلق اور اہلِ ارادت کو صبر وشکر کی توفیق خیر سے سرفراز فرمائے۔ آمین۔

(علامہ اسید الحق محمد عاصم قادری کا عرس چہلم ۱۲/ اپریل ۲۰۱۴ء کو خانقاہ عالیہ قادریہ بدایوں میں منعقد ہو رہا ہے۔ تمام حضرات سے شرکت کی پر خلوص گزارش ہے)۔☆☆☆☆

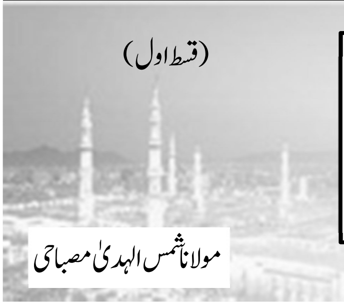

فقہی تحقیق

(قسط اول)

# زائد العرض بلاد میں سحری کا حکم

مولانا شمس الہدیٰ مصباحی

جن دنوں میں آفتاب اٹھارہ ڈگری زیر افق جاتا ہی نہیں اور شفق ابیض یا احمر و صبح صادق متصل ہو جاتے ہیں یعنی جہاں کا عرض البلد تقریبًا ۴۸-۳۰ درجہ یا زیادہ ہو تو موسم گرما میں یہی صورت حال رہتی ہے۔

پس ایسے بلاد میں ان مخصوص دنوں میں آدھی رات سے قبل سحری کرلینا ضروری ہے۔ اس کے بعد کچھ بھی کھانے پینے کی گنجائش روزہ دار کے لئے نہیں ہے۔ نصف لیل کا مطلب غروب آفتاب سے لیکر اگلے طلوع تک کے وقت کا آدھا ہے اسی کو لیل عرفی کہتے ہیں۔

'اللیل هو من مغرب الشمس الی طلوعها (کتب اللغة) النهار عرفاً هو من طلوع الشمس الی الغروب'
(فتح القدیر صوم، کفایہ)

اور جب اٹھارہ درجہ زیر افق سورج جائے تو جانب شرق میں اٹھارہ درجہ پہنچنے پر وقت فجر شروع اور وقت سحری ختم ہو جاتا ہے۔ اور ختم وقت سحری میں ائمہ اربعہ کا کوئی اختلاف نہیں بلکہ اجماع ہے کہ وہ طلوع فجر صادق ہی ہے۔

'انّ السحور لا یکون الّا قبل الفجر و هٰذا اجماع لم یخالف فیه الّا الأعمش وحده' (المغنی ۳۲۵؍٤ روح المعانی بقرة ۱۸۷)

امام اعمش کی روایت ہے۔

' اوّل وقت الصوم اذا طلعت الشمس و نسخ الآکل و الشرب بعد طلوع الفجر و فی الدرایة هذا غلط فاحش لا یعتد بخلافه و ذالك لأنه مخالف لنص القرآن' (بنایه ج ٤ ص ۳۲)

## تنصیف اللیل کے چند دلائل:

۱۔ امام قطب الدین شیرازی شافعی رحمہ اللہ تعالی متوفی ۸۱۰ھ فرماتے ہیں:

' و حیث العرض ثمانیة و اربعون و نصف اذا کانت الشمس فی المنقلب الذی فی جهة العرض یتصل الشفق بالصبح لأن قوس انحطاطها من دائرة نصف النهار حینئذ یکون ثمانیة عشر جزءاً و الان الذی هو آخر غروب الشفق یکون اول طلوع الصبح ..... و هٰذا الصبح و الشفق متصل احدهما با لأخر لأنه من حساب الصبح ما دام فی الطرف الشرقی و من حساب الشفق ما دام فی الغربی'
(التحفة الشاهیة قلمی ٤٣٤)

اور امام شیرازی عظیم فلکی اور جلیل القدر شافعی فقیہ ہیں

"هو عالم مشارك فی التفسیر والفقه والاصول و الریاضیات و المنطق و الحکمة و الطب والهیئة و غیر ذالك" (معجم المؤلفین ۳ج ص ۸۳۲) و لذا خصّ من بین العلماء قطب الملة و الدین الشیرازی بالعلّامة "
(حاشیہ مقدمہ شرح الجامی)

۲۔ امام عبد العلی برجندی حنفی رحمہ اللہ تعالی متوفی ۹۳۵ھ رقم طراز ہیں:

" ثم اذا جاوز هذا العرض،، ثمانیة و اربعین و نصفاً،، یتداخل الصبح و الشفق کما هو المذکور فی الکتب لکن الظاهر أن الشمس اذا کانت فی النصف الغربی کان من حساب الشفق و اذا کان فی النصف الشرقی کان من حساب الصبح' (حاشیہ شرح چغمینی ۱۲۲ ص)

آپ بہت بڑے حنفی فقیہ اور ماہر فلکیات تھے۔ آپ کی مشہور زمانہ کتاب شرح النقایة اور شرح المنار للنسفی وغیرہ ہیں

' فلکی من فقهاء الحنفیة نسبته الی برجنده بتر کستان الخ ' (الاعلام للزرکلی ج ٤ ص ۳۰)

۳۔ مفتی قازان امام ہارون حنفی متوفی ۱۳۰۶ھ ارقام فرماتے ہیں:

استاذ الجامعۃ الاشرفیہ، مبارک پور

’ انّ الشفق یغیب من جهة الغروب و محل الأفول و امّا ما یبقی فی الجانب الاٰخر و جهة الطلوع بعد وصول الشمس الی خط نصف النهار فی انحطاطها فهو محسوب من الصبح و لذا منع عن أکل السحر بعد نصف اللیل‘
(ناظورة الحق ۱۷۲ ص)

۴۔ ڈاکٹر شوکت عودہ (رصد گاہ اردن) تحریر کرتے ہیں کہ ۳۰ سے ۳۰-۴۸۔۶۶ تک کے عرض البلد ممالک میں موسم گرما کی کچھ راتیں وہ ہیں کہ آدھی شب فجر طلوع ہوتی ہے ’و تقدیر موعد صلاة الفجر البد یل عند موعد منتصف اللیل الفلکی‘ (تقدیر موعدی صلاة الفجر و العشاء ۱۵ ص)

۵۔ امام مجدد احمد رضا قدس سرہ فرماتے ہیں ’ آدھی رات تک شفق ابیض رہتی ہے اور وہ ابھی نہ ڈوبی کہ مشرق سے صبح صادق طلوع کر آئی۔‘ اس میں ٹھیک آدھی رات کو انحطاط ۱۸ درجے یا اس سے بھی کم ہوگا۔ جو ظہور بیاض کے لیے کافی ہے۔‘ (فتاوی رضویہ ج۱۰، ۶۲۳، ۶۲۴)

” عین وقت نصف اللیل است پس انتہائے وقت مغرب و ابتدائے صبح بریک آن مشترک شدہ عشا معدوم“ (تاج التوقیت قلمی ۱۲ص)

۶۔ بحر العلوم مفتی افضل حسین صاحب رحمۃ اللہ علیہ فیصل آباد پاکستان، فرماتے ہیں:

’ لہذا عرض البلد اور میل شمسی دونوں شمالی یا دونوں جنوبی یا ایک شمالی دوسرا جنوبی ہو اور دونوں کا مجموعہ ۴۷ درجہ یا زیادہ ہو تو غروب آفتاب سے آدھی رات تک شفق ابیض رہے گا اور آدھی رات سے طلوع آفتاب تک صبح صادق لہذا شفق ابیض سے صبح متصل ہوگی۔‘ (توضیح الافلاک ۶۲ص)

۷۔ خواجۂ علم و فن علامہ مظفر حسین رضوی دام ظلہ العالی (رحمہ اللہ تعالی ذی الحجہ ۱۴۳۴ھ میں انتقال ہوگیا۔ فقیر کے ساتھ چند ایام قبل تفصیلی نشستیں نظام الاوقات کے متعلق ہوئی تھیں) تحریر فرماتے ہیں:

’ لیکن نصف اللیل کے بعد طلوع فجر ہو جاتا ہے۔ لہذا وہ عمل جو طلوع فجر سے پہلے ہونا ضروری ہے۔ اس عمل کو نصف اللیل سے پہلے ہی کر لینا ضروری ہے۔‘ (تحقیقات امام علم و فن ۳۶۷ص)

۸۔ امام محمد بن عبد الوہاب اندلسی نے بھی تنصیف اللیل کی صراحت فرمائی:

” فا لنصف الأول من اللیل حصة الشفق و الثانی حصة الفجر“

یعنی جہاں شفق غائب نہیں ہوتی وہاں رات کا نصف اول شفق غربی سے ہے اور نصف ثانی، فجر کا وقت ہے۔
(العذب الزلال فی مباحث رویۃ الہلال ۲۶۰ / ۲۷۷ص)

نیز یو۔ کے کے شہر مانچسٹر کا حساب نکال کر مسئلہ کو خوب واضح بھی فرمادیا ہے۔

” و لنفرض لك مثالاً اخر لعرض منشیستر من مدن الانجلیز، حیث یقیم بها بعض تجار المسلمین ، و ذالك ان عرضها ۲۹ ، ۵۳ و تمامه ۳۱ ۳٦“.

فاذا کان المیل الشمالی سبع عشرة درجة واحدی و ثلثین دقیقة و نقصته من تمام العرض المذکور لیحصل بذالك غایة الارتفاع النظیر ، کان الباقی تسعة عشر. فمن وقت کون الشمس فی الجزء من الفلك من البروج الصاعدة الذی میله ما ذکر الی وقت کونها فی الجزء منه من البروج الهابطة الذی میله ما ذکر ایضاً ، تکون حصة الفجر نصف اللیل . (العذب الزلال للمراکشی ۲٦۵ / ۲٦٦ ص)

اس بحث کو شکل سے واضح کیا جاتا ہے تا کہ اس کا سمجھنا بہت آسان ہو جائے۔

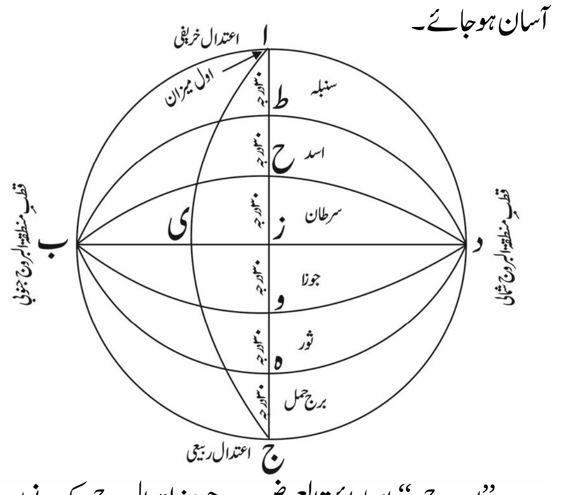


”اب ج د“ ایسا دائرۃ العرض ہے جو منطقۃ البروج کے دونوں قطبوں اور اعتدالین سے گزرتا ہے ”ای ج“ معدل النہار ہے اور دائرہ ”ج ز ا“ منطقۃ البروج ہے جس میں ج سے ا تک بروج شمالیہ ہیں اور برج حمل، ثور، اور جوزا بروج صاعدہ اور سرطان، اسد، سنبلہ، بروج ہابطہ ہیں ”ج“ اول حمل ”ہ“ اول ثور ”و“ اول جوزا ”ز“ اول سرطان اور یہی نقطہ ز انقلاب صیفی بھی ہے ”ح“ اول اسد اور ”ط“

اول سنبلہ،اور "ا" اول میزان ہے : اور ہر برج کی مقدار ۳۰ درجہ ہے۔ لہٰذا منطقۃ البروج کی قوس جو "ج ہ کے درمیان ہے وہ ۳۰ درجہ ہے اور یہ قوس برج حمل کے وسط میں ہے اسی طرح ہ سے و تک ۳۰ درجہ ہے علیٰ ہٰذا القیاس سارے بروج ۳۰۔ ۳۰ درجہ پر مشتمل ہیں۔

ایک مثال انگلینڈ کے شہر مانچسٹر کے لیے پیش کرتے ہیں جہاں بعض مسلمان تاجر مقیم ہیں اس کا عرض البلد ۵۳ درجہ ۲۹ دقیقہ ہے اس کا تمام ۳۶ درجہ ۳۱ دقیقہ ہے جب سورج کا میل شمالی ۱۷ درجہ ۳۱ دقیقہ ہو تو اس کو تمام عرض مذکور سے گھٹا دیں تاکہ اس سے غایت ارتفاع نظیر حاصل ہوجائے گھٹانے پر باقی رہا ۱۹ درجہ تو جس وقت سورج بروج صاعدہ کے اس جز میں ہو جس کا میل ۱۷ درجہ ۳۱ دقیقہ ہو تو حصۂ فجر نصف اللیل ہوگا۔ اس جز کے لیے بعد درجۂ شمس کی معرفت اس طرح ہوگی کہ میل مذکور کی جیب کو مرفوعاً لیکر جیب میل اعظم پر تقسیم کریں تو نقطۂ اعتدال سے بعد درجہ حاصل ہوجائے گا۔

لہذا میل مذکور ۱۷ درجہ ۳۱ دقیقہ کی نسبت جیبیہ لیں ۹ء۴۷۸۵۴۲۳ اس کو نصف قطر میں ضرب دینے کے بعد حاصل ضرب سے میل کلی کی نسبت جیبیہ تفریق کردیں ۹ء۵۹۹۸۲۷۰ باقی بعد درجہ کی نسبت جیبیہ ہوگی: ۹ء۸۷۸۷۱۵۳

جز ثانی سے اس کی قوس مط ط یعنی ۴۹ درجہ ۹ دقیقہ ہے لہذا وہ برج ثور کا ۱۹ درجہ ۹ دقیقہ اور برج اسد کا ۱۰ درجہ ۵۱ دقیقہ اور ان دونوں کے درمیان ۸۱ درجے ہوں گے اور اسی کے مثل ایام ہوں گے جن کے بیچ میں انقلاب صیفی کا دن ہوگا۔ اتنے دنوں میں حصہ فجر بلد مذکور یعنی مانچسٹر میں نصف اللیل ہوگا۔ (ترجمہ)

۹۔ امام جمال الدین ماردینی متوفی ۸۰۶ھ موقت جامع ازہر قاہرہ فرماتے ہیں:

" و الفجر هو البياض المعترض فی افق المشرق بعد نصف الليل "

یعنی فجر صادق افق مشرق پر پھیلی ہوئی سفیدی ہے جو آدھی رات کے بعد ہوتی ہے۔ (الدر المنثور باب ۲۸)

نیز فرمایا گیا:

و به علم ايضاً حكم الصوم و انه يجوز الاكل قبل نصف الليل لا بعده ، ( تلفيق الاخبار و تلقيح الاثار فی وقائع قزان و بلغار ص ۲۹۸ )

۱۰۔ دنیا کی عظیم رصدگاہ لندن H M Nautical Almanac Office اور امریکا، جارڈن وغیرہ کی رصدگاہوں کے دلائل بھی ہمارے موقف کے مؤید ہے۔ ان کی ویب سائٹ تفصیل کے لیے دیکھی جائے۔

The sun moves from the western half of the sky to the eastern half of the sky at lower transit. ie. when the sun is at an azimuth of 0 in the northern hemisphere ( on 180 in the southern hemisphere) (Twilights: Terminology, Appearance, occurence & calculation - Dr Steve Bell, United Kingdom, Hydrographic Office)

۱۱۔ مغرب اور فجر کا وقت مساوی ہوتا ہے جیسا کہ فقہائے عظام نے اس پر نص فرمایا:

" و امّا بياض الشفق و هو رقيق الحمرة فلايتأخر عنها الّا قليلاً قدر ما يتأخر طلوع الحمرة عن البياض فی الفجر " (تبیین الحقائق ۲۱۸ /۱، بہار شریعت ج ۳ وغیرہ)

اور صرف آدھی رات ہی کے ضابطہ سے ان دنوں میں دونوں وقتوں میں برابری متحقق ہوگی۔

۱۲۔ اور عقل کا تقاضا بھی یہی ہے کیوں کہ شفق سورج ہی کے تابع ہے تو جب وہ مائل الی المشرق ہوگا تو شفق شرقی ہی کہلائے گی اور افق مشرق پر پھیلی شفق کا نام صبح صادق کے سوا کچھ نہیں لہذا نیم شب کے بعد سحری کا جواز ان دنوں میں ان بلاد میں ہرگز نہیں ہے۔

۱۳۔ ان خاص دنوں میں تنصیف لیل کے فارمولے کے تحت نماز عشاء اور ختم وقت سحری کا حل ہے کہ غروب واگلے طلوع آفتاب کے مابین وقت کو دو حصہ میں کریں۔ نصف اول ختم ہونے سے قبل نماز عشاء اور سحری سے فارغ ہولیں اور نصف آخر کے آغاز سے وقت فجر شروع ہوجاتا ہے۔ (فتاوی کنز الایمان ص ۱۰۴)

اس فتوی پر پاک ہند کے اکابر فقہاے اور ماہرین علم توقیت وہیئت نے اپنی تصدیق و توثیق سے سرفراز فرمایا ہے۔ چند اسمائے گرامی درج ذیل ہیں:

۱۔ خواجۂ علم وفن علامہ مظفر حسین رضوی شیخ الحدیث دار العلوم نور الحق فیض آباد، انڈیا۔

۲۔ محدث جلیل علامہ عبدالشکور صاحب قبلہ شیخ الحدیث الجامعۃ الاشرفیہ مبارکپور، انڈیا

۳۔ سراج الفقہا مفتی محمد نظام الدین صاحب صدر شعبۂ افتا الجامعۃ الاشرفیہ مبارکپور، انڈیا

۴۔ مفتی اعظم راجستھان حضرت مفتی اشفاق حسین صاحب قبلہ دارالعلوم اسحاقیہ جودپور راجستھان، انڈیا

۵۔ نمونۂ سلف حضرت مفتی منیر الزمان صاحب قبلہ پاکستان

۶۔ علامہ مفتی اشفاق حسین صاحب فیصل آباد، پاکستان

۷۔ علامہ مفتی عبدالواجد صاحب قبلہ نوری مسجد امسٹرڈم، ہولینڈ

۸۔ مفکر اسلام علامہ قمر الزمان اعظمی، مانچسٹر، انگلینڈ

۹۔ علامہ مفتی شیر محمد خانصاحب دار العلوم اسحاقیہ راجستھان، انڈیا

۱۰۔ علامہ مفتی محمد عالمگیر صاحب دار العلوم اسحاقیہ راجستھان، انڈیا

۱۱۔ علامہ مفتی آل مصطفی ، صدر شعبۂ افتا جامعہ امجدیہ گھوسی، انڈیا

۱۲۔ علامہ محمد صادق سیالوی صاحب قبلہ کمالیہ پاکستان

۱۳۔ علامہ مفتی ارشاد احمد رضوی، برمنگھم، یو۔کے۔

۱۴۔ علامہ مفتی قاضی شہید عالم صاحب جامعہ نوریہ بریلی شریف، انڈیا

۱۵۔ علامہ محمد یوسف پیرزادہ، علامہ زاہد حسین شاہ صاحب، پاکستان

۱۶۔ علامہ بدر القادری، دین ہیگ، ہولینڈ

۱۷۔ علامہ مفتی شفیق الرحمن صاحب، امسٹرڈم، ہولینڈ

۱۸۔ علامہ صادق ضیاء صاحب، برمنگھم، انگلینڈ

۱۹۔ علامہ محمد ثاقب اقبال شامی صاحب، برمنگھم، انگلینڈ

۲۰۔ علامہ ساجد محمود فراشوی صاحب، بریڈفورڈ، انگلینڈ وغیرہم کثیر علماو مشائخ کبار شامل ہیں اور عالمی تحریک دعوت اسلامی اور منہاج القرآن وغیرہ کا موقف بھی یہی ہے۔ حنفی کہلانے والے اکابر بد مذہباں کا فتوی بھی اس کی تائید میں ہے۔

۱۴۔ پروفیسر طاہر القادری اپنے ایک تفصیلی و تحقیقی مکتوب میں رقم طراز ہیں:

” میرے نزدیک، اصول نصف اللیل، سب سے زیادہ سہل، علمی قرین قیاس ہے۔ اسی کو اپنایا جانا چاہیے۔“

۱۵۔ ہمارے بعض ماہرین علم توقیت اکابر کا مرتب کردہ ٹائم ٹیبل برائے انگلینڈ وہالینڈ ہمارے پاس موجود ہے جو تقریباً اڑتیس سال قبل کا ہے۔ اس میں غیر معتدل ایام کے اندر آغاز وقت فجر اور اختتام سحری آدھی رات ہی پر ہے۔

۱۶۔ مجلس شرعی جامعہ اشرفیہ مبارکپور، ہند، شعبان ۱۴۲۵ھ کے فیصلہ میں رقم ہے کہ جن تاریخوں میں نصف اللیل کے ساتھ ہی فجر طلوع ہوجاتی ہے۔ ان ایام میں نصف شب کے ساتھ ہی سحری کا وقت ختم ہوجاتا ہے۔ اس لئے اس سے قبل ہی کھانے، پینے سے فارغ ہوجانا ضروری ہے ورنہ روزہ نہ ہوگا اور قضا فرض ہوگی۔ اس فیصلے پر ۲۶ فقہائے کرام کی تصدیق ثبت ہے۔

**فائدہ:** درج ذیل ضابطہ جو علم ہیئت کے مسلّم الثبوت سے ہے۔ اگر اسے ہم سمجھ لیں تو گرمیوں کے مخصوص ایام میں ختم وقت سحری یو۔کے وغیرہ میں صرف اور صرف نیم شب ہی ہوگا۔ اور اسی میں روزہ کا تحفظ ہے۔

۱۔ اگر عرض البلد اور میل شمسی دونوں متحد الجہۃ ہو یعنی دونوں شمالی یا دونوں جنوبی، تو اگر دونوں کا مجموعہ ۷۲ یا زیادہ ہو لیکن ۹۰ سے کم ہو تو وہاں غروب آفتاب سے آدھی رات تک شفق رہے گی اور آدھی رات سے طلوع آفتاب تک صبح صادق۔ جیسے شفیلڈ کا عرض البلد ۲۳۔۵۳ ہے اور ۱۶ مئی کا میل شمسی ۵۸۔۱۸ ہے۔ ۲۳۔۵۳ + ۵۸۔۱۸ = مجموعہ ۲۱۔۷۲ ہوا۔ جو ۷۲ سے زائد اور ۹۰ سے کم ہے۔ لہذا شفیلڈ میں ۱۶ مئی کو شفق ابیض اور صبح صادق متّصل ہوں گے اور وقت عشاء حنفی نہیں آئے گا۔

۲۔ عرض البلد اور میل شمسی دونوں کو جمع کر کے ۹۰ سے تفریق (مائنس) کریں تو انحطاط شمس نکل آئے گا۔ مثلاً عرض البلد شفیلڈ ۲۳۔۵۳ + ۰۸۔۱۹ = ۳۱۔۷۲ (۲۸ جولائی کا میل شمسی ۰۸۔۱۹ ہے)۔ ۳۱۔۷۲ - ۰۰۔۹۰ = ۲۹۔۱۷ پس ۲۸ جولائی کو ۱۷ ڈگری ۲۹ دقیقہ زیر افق، انحطاط الشمس شفیلڈ میں ہوگا۔


## راجستھان میں

## ماہ نامہ اشرفیہ حاصل کریں

جناب معروف احمد خاں صاحب

نمبر 73، رضانگر، سیکٹر نمبر ۱۲

سوینا، اُدے پور (راجستھان) 313002

**کیا فرماتے ہیں مفتیان دین/سوال آپ بھی کرسکتے ہیں**

# آپ کے مسائل

مفتیِ اشرفیہ مفتی محمد نظام الدین رضوی کے قلم سے

## تاڑی کے درخت کو ٹھیکے پر دینے اور لینے کا حکم

اپنی زمین میں لگے ہوئے تاڑ کے درخت کو تاڑی کے موسم میں تاڑی بیچنے والے کو چند مہینوں کے لیے کرایہ پر دینا کیسا ہے؟ زید کے پاس تاڑ کے بہت سے درخت ہیں، جب تاڑی کا موسم آتا ہے تو وہ ٹھیکے والے کو ٹھیکے پر دے دیتا ہے، ٹھیکے والا گاؤں میں ہی تاڑی بیچتا ہے، پورا گاؤں مسلم آبادی ہے، گاؤں میں اس کاروبار کی وجہ سے مسلم بچوں کے اخلاق برباد ہو رہے ہیں۔

دریافت طلب امر یہ ہے کہ زید کا یہ درخت لگانا کیسا ہے؟ اسے ٹھیکے پر دینا کیسا ہے، جس کی وجہ سے مسلم بچوں کے اخلاق تہس نہس ہو رہے ہیں، اس زید پر کون سا حکم شرع عائد ہوتا ہے۔

نیز تاڑی کی شرعی حیثیت کیا ہے؟ جب کہ اس وقت تاڑی میں نشہ پایا جا رہا ہے۔ بینوا وتوجروا۔

### الجواب

تاڑی نشہ آور ہو تو اس کا قطرہ قطرہ شراب کی طرح حرام ہے، اور نہ صرف حرام بلکہ پیشاب کی طرح نجاستِ غلیظہ بھی ہے اور اسے بیچنا اور خریدنا بھی حرام وگناہ ہے۔ اس لیے صورتِ مسئولہ میں نشہ آور تاڑی کا ٹھیکہ لینا دینا حرام وگناہ ہے۔ (فتاویٰ رضویہ، جلد دہم، ص: ۵۱/۵۲/۵۳ میں پوری تحقیق ہے، دلائل کے لیے اس کا مطالعہ کریں۔ واللہ اعلم۔

## وقف کے چند ضروری مسائل

زید نے اپنی ایک زمین آج سے ۳۰/ سال پہلے مدرسہ کے لیے دی یہ کہہ کر کہ گاؤں میں جو پرانا مدرسہ ہے وہ مدرسہ منتقل ہو کر میری زمین پر بنے، اور اس زمین پر زید اب تک کھیتی باڑی کر رہا ہے کمیٹی والے، زید نے جو زمین مدرسہ کے لیے دی تھی اس پر انگلش میڈیم (KG1, KG2) کھولنا چاہتے ہیں تو اب زید کا کہنا ہے کہ میں نے یہ زمین مدرسہ کے لیے دی تھی، انگلش میڈیم کے لیے نہیں اور دوسری بات یہ ہے کہ میری زمین پر یہ پرانا مدرسہ منتقل کرنے کی ضرورت نہیں ہے، کیوں کہ پرانے مدرسہ میں زیادہ بچے رہتے ہی نہیں اور کمرہ خالی پڑا رہتا ہے، اس لیے مدرسہ منتقل کرنے کی ضرورت نہیں۔

اب دریافت طلب امر یہ ہے کہ:

(۱)- زید کی وہ زمین مدرسہ کے لیے وقف ہوئی یا نہیں؟

(۲)- اگر وقف ہوئی ہے تو ۳۰/ سال پہلے جو اس میں کھیتی باڑی ہوئی اس کا کیا حکم ہے؟

(۳)- اگر زید کی زمین مدرسہ کے لیے وقف ہوگئی ہے تو اس پر اسکول یا انگلش میڈیم قائم کرنا کیسا ہے؟

(۴)- واقف وقف کرنے کے بعد اس پر کچھ شرائط لگا سکتا ہے یا نہیں؟ قرآن وحدیث کی روشنی میں جواب عنایت فرما کر عند اللہ ماجور ہوں۔

### الجواب

(۱)- زید کی وہ زمین مدرسہ کے لیے وقف ہے۔ امام ابو یوسف رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے مذہب پر وقف تام ہونے کے لیے متولی یا انتظامیہ کو سپرد کر دینا ضروری نہیں صرف ہیشگی کی نیت سے یہ کہہ دینا کافی ہے کہ زمین مدد کو دی اور اوقاف میں فتویٰ انھیں کے قول پر ہوتا ہے، یہاں بھی وہ مفتی بہ و مقدم ہے، اور وہی اکثر اہلِ علم کا قول ہے۔ مدرسہ کو جو زمین دی جاتی ہے یا مدرسہ کے لیے جو زمین خریدی جاتی ہے وہ ہمیشہ کے لیے دی اور خریدی جاتی ہے، اس لیے زید نے جب وہ زمین مدرسہ کو دی اور یہ کہا کہ گاؤں والا مدرسہ منتقل ہو کر میری زمین پر بنے تو یہ ہمیشہ کے لیے ہی دینا ہوا۔ لہٰذا وقف صحیح وتام ہے۔ فتاویٰ ہندیہ میں ہے:

وإذا كان الملك يزول عندهما، يزول بالقول عند أبي يوسف رحمه الله تعالىٰ و هو قول الأئمة الثلاثة، وهو قول أكثر أهل العلم، و علىٰ هٰذا مشائخ بلخ، و في المنية: و عليه الفتوىٰ، كذا في فتح القدير، و عليه الفتوىٰ، كذا في السراج الوهاج. وقال محمد رحمه الله

تعالیٰ: لا یزول حتیٰ یجعل للوقف ولیا و یسلم إلیه و علیه الفتویٰ کذا فی السراجیة. (ص:۳۵۱، ج:۲، الباب الأول من کتاب الوقف) واللہ تعالیٰ اعلم

(۲)-کھیت کی پیداوار زید کی ہے اور زید نے جب تک زمین وقف کو اپنے پاس مشغول رکھا اور اس میں کھیتی کی اتنے دنوں کا مناسب کرایہ مدرسہ کو ادا کرے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

(۳)-زمین مدرسہ کے لیے وقف ہے تو اس پر مدرسہ ہی قائم کرنا واجب ہے۔ اور اس کی مخالفت حرام و گناہ۔ فقہا فرماتے ہیں:

مراعاة غرض الواقفین واجبة.

لہٰذا اس زمین پر کوئی اسکول یا انگلش میڈیم نرسری وغیرہ قائم کرنا حرام و گناہ ہے مسلمان اس سے بچیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم

(۴)-وقف کے ساتھ جو شرطیں مناسبِ وقف لگانا چاہے لگا سکتا ہے، اس کے بعد وہ زمین اس کی مِلک سے نکل جاتی ہے، پھر اسے کوئی شرط لگانے کا حق نہیں رہ جاتا۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

## شراب کی خالی بوتلوں کے کاروبار کا حکم

زید کا کاروبار ایسی شراب کی خالی بوتلوں کا ہے جنھیں وہ شراب کی دوکانوں و کباڑیوں سے خرید کر دھلائی کرا کر شراب کمپنی کو دیتا ہے، وہ کمپنی ان بوتلوں میں دوبارہ شراب بھر کر مارکیٹ میں فروخت کرتی ہے۔ زید کا ایسا کرنا کیسا ہے؟ اور اس کمائی کے تعلق سے شرعی حکم کیا ہے؟

## الجواب

زید گناہ پر تعاون کی نیت نہ رکھے، بلکہ صرف اِس سے غرض رکھے کہ اس کا ایک کاروبار ہے، جو چاہے اس سے خریدے تو فتویٰ جواز اور تقویٰ احتراز ہے۔ یعنی یہ کاروبار کر سکتا ہے اور بچے تو بہتر۔ واللہ تعالیٰ اعلم

## دوسروں کے ذریعہ بھیجے گئے میسیج سے طلاق کا حکم

بکر کی شادی زید کی لڑکی ہندہ کے ساتھ ہوئی، دو سال قبل بکر دو سال تک شادی کے بعد کام کاج نہ کرنے کی وجہ سے بکر اور اس کی بیوی ہندہ کے ساتھ آپسی تعلقات اچھے نہ تھے، جس کی بنیاد پر موبائل میں ایک میسیج آیا بکر کی بیوی ہندہ کی ایک سہیلی کے موبائل پر جس میں طلاق کے بارے میں لکھا گیا ہے، بکر کا کہنا یہ ہے کہ میں نے یہ میسیج نہیں بھیجا ہے، بلکہ میں نے اپنی داستان اپنے ایک دوست کو سنائی تو اس نے یہ میسیج بھیجا ہے۔ بکر کا کہنا ہے کہ میں نے اس کو اجازت نہیں دی تھی، بلکہ اس نے اپنی مرضی سے بھیج دیا ہے، اب یہ بات مکمل نہیں ہو رہی ہے، اس پر علمائے کرام و مفتیانِ عظام کا کیا کہنا ہے اور اس کی صورتیں کیا ہیں؟

اگر بکر نے میسیج بھیجا ہے تو اس پر حکم کیا ہے اور اگر بکر کے دوست نے ڈرانے دھمکانے کے لیے بکر کے کہنے کی وجہ سے بھیجا ہے تو اس کا حکم کیا ہے؟ اور اگر بکر کے دوست نے اپنی مرضی سے بھیجا ہے تو اس پر کیا حکم ہے؟ بکر کے پتہ چل جانے کے بعد بکر نے کہا کہ ٹھیک ہے۔ میسیج یہ ہے:

”طلاق دینے والا ہوں، بکر فون کرنا ورنہ یاد رکھنا۔ طلاق دوں، طلاق دیا، طلاق دیا، اس میسیج سے کس کی طرف مخاطب ہے، اس کا پتہ نہیں چل رہا ہے۔

## الجواب

صورتِ مسئولہ میں زید کی بیوی ہندہ پر کوئی طلاق نہیں واقع ہوئی، کیوں کہ میسیج میں طلاق کی اضافت ہندہ کی طرف نہیں ہے، نہ وہ اس کی مخاطب ہے، نہ اسے میسیج بھیجا گیا جب کہ طلاق واقع ہونے کے لیے بیوی کی طرف طلاق کی اضافت ضروری ہے، ہاں نیت میں اضافت بھی وقوعِ طلاق کے لیے کافی ہوتی ہے۔ مگر یہاں جب زید میسیج بھیجنے کا ہی منکر ہے تو نیت کا کیا سوال؟ سوال لانے والے نے زبانی بتایا کہ بکر نے اپنے دوست سے یہ کہا تھا کہ میرے سسرال والوں کو ڈرانے کے لیے کوئی میسیج بھیج دو، تو اس کے دوست نے وہ میسیج بھیجا، اس سے صاف ظاہر ہے کہ یہ میسیج بیوی کو طلاق دینے کے لیے نہیں بلکہ سسرال والوں کو ڈرانے کے لیے ہے۔ اسے بکر کا ٹھیک کہنا بھی اسی نیت کی تصدیق ہے۔ اس لیے حکم یہ ہے کہ ہندہ پر طلاق واقع نہ ہوئی، بکر اور ہندہ دونوں اب بھی باہم میاں بیوی ہیں۔ آئندہ بکر ایسی حرکت نہ کرے اور اس کے خسر کو ہدایت ہے کہ داماد کے ساتھ شفقت سے پیش آئیں، اس پر ہاتھ چلانا زیادتی ہے، شوہر کو یہ حق ہے کہ بیوی کو اپنے ساتھ رکھے، اس لیے خسر کو چاہیے تھا کہ اس کی بیوی کو اس کے ساتھ اس کی خواہش کا احترام کرتے ہوئے اسے رخصت کر دیتا۔ اور بکر پر بھی لازم ہے کہ خسر کا اکرام باپ کی طرح سے کرے اور بے ادبی کے ساتھ پیش نہ آئے۔

سوال لانے والے کے بیان سے معلوم ہوا کہ ہندہ کی رخصتی کے معاملہ کو لے کر داماد و خسر میں بات آگے بڑھی، یہاں تک کہ خسر نے داماد کو مار بھی دیا، اس لیے دونوں کو یہ ہدایت کی گئی۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

واضح ہو کہ اگر درج بالا میسیج خود بکر نے ہی ڈرانے کے لیے بھیجا ہو تو بھی یہی حکم ہے کہ طلاق نہ پڑی۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

☆☆☆☆☆

فکر امروز

# ملت کا سرمایہ ہے الجامعۃ الاشرفیہ

مولانا محمد اسحاق مصباحی

صاحبو! یہ میرا جملہ نہیں ہے، مگر مجھے ہمیشہ یاد رہتا ہے، پوچھیے کیوں؟ اس جملہ کے ساتھ بہت سی یادیں جڑی ہیں اور بہت عظیم شخصیت وابستہ ہے۔

۱۹۸۴ء میں ہم اپنے ساتھیوں کے ساتھ مبارک پور پہنچے پڑھنے کے لیے۔ اس وقت ہم اس علاقہ کی تین ہستیوں سے زیادہ واقف تھے، حافظ ملت علیہ الرحمۃ والرضوان جو دنیا سے تشریف لے جا چکے تھے، اور دوسری شخصیت حضرت مولانا محمد احمد مصباحی کی تھی جو اس وقت جامعہ میں نہیں تھے، بلکہ بعض علمی کاموں کی وجہ سے رام پور تشریف لائے تھے اور تیسری شخصیت بحر العلوم حضرت مفتی عبد المنان اعظمی علیہ الرحمہ کی تھی جو اکثر رام پور، بریلی شریف وغیرہ جلسوں میں تشریف لاتے تھے اور ان سے ہماری کئی بار ملاقات بھی ہو چکی تھی۔ اس علاقہ کی اور بھی عظیم ہستیاں تھیں، مگر ہم مبارک پور پہنچ کر بحر العلوم کی بارگاہ میں حضرت کے دولت کدہ پر حاضر ہوئے، بحر العلوم، مدرسہ شمس العلوم گھوسی میں تدریس وافتا کی ذمہ داری لے چکے تھے۔ ہم نے حضرت سے عرض کیا کہ آپ تو تشریف لے گئے اور ہم چاہتے تھے کہ آپ سے بھی پڑھیں۔ حضرت نے فرمایا:

"الجامعۃ الاشرفیہ ملت کا سرمایہ ہے، آپ وہیں تعلیم حاصل کریں اور انشاء اللہ تعالیٰ حضرت حافظ ملت کا فیض بھی آپ کو ملے گا، علم میں برکت ہوگی۔"

ہم نے تعلیم شروع کردی، تمام اساتذہ نے نہایت محنت و مشقت سے پڑھایا، فارغ ہوئے اور پڑھایا، زندگی نشیب وفراز سے گزرتی رہی مگر اشرفیہ کا ماحول، وہاں کی یادیں، وہاں کے اساتذہ کی محنت، تدریس کے لیے پابندی، حضرت سربراہ اعلیٰ مد ظلہ العالی کی محنت، عنایت، ذرہ نوازی، لائبریری اور تحقیقی کتابیں، اساتذہ سے بحث وتحقیق کے مسائل، غرض اس چمن کی ہوا، خوشبو اور ہر پھول آج یادوں کی بساط پر پہلے سے زیادہ مہکتا ہے اور مشامِ جان کو معطر کر دیتا ہے۔

ہندوستان کی آزادی کے وقت سے جماعت اہل سنت کو جو شعور اور فکری بلندی الجامعۃ الاشرفیہ نے عطا کی، اس کے اثرات آج عالم پر عیاں ہیں۔ ہزاروں تحقیقی کتابیں لکھی گئی ہیں۔ امام اہل سنت اعلیٰ حضرت کی کتب کی تعریب، ترجمہ اور تحقیق جو ابنائے اشرفیہ نے کی، قابل داد ہے۔ جماعت اہل سنت کو علمی حیثیت سے پوری دنیا میں واقف کرانے والا ادارہ الجامعۃ الاشرفیہ ہے، اسلامی علوم کا محافظ اور تحقیق کا مرکز الجامعۃ الاشرفیہ ہے، یہاں پر الجامعۃ الاشرفیہ کے بانی حضور حافظ ملت نے جو علمی روح اور انداز قائم فرمایا تھا وہ آج تک باقی ہے۔ تدریس کے اصول، اوقات کی پابندی اور امتحانات میں معیار آج بھی قائم ہے۔ اساتذہ کے انتخاب اور تقرر میں دیانت، امانت، قابلیت، صلاحیت کا اعتبار جو کل تھا آج بھی ہے۔ آج ہندوستان میں اور بھی بڑے بڑے ادارے قائم ہو رہے ہیں، ہم دعا کرتے ہیں کہ وہ سب اہل سنت کے ادارے ترقی کریں اور معیار قائم کریں مگر اشرفیہ اب ان معیاروں اور تجربات سے گزر چکا ہے۔ جو دوسرے اداروں کو ابھی کرنا باقی ہیں، وہ ادارے ابھی کلی ہیں جنھیں کھلنا اور خوشبو بکھیرنا ہے۔ مگر اشرفیہ سدا بہار مہکتا پھول ہے، جس کی خوشبو سے بادِ صبا کا دامن مہکتا ہے اور ہر طرف اس کا رنگ اور مہک نظر آتی ہے، اشرفیہ مذہب اہل سنت کا مرکز تبلیغ ہے، مسلک اعلیٰ حضرت کا نقیب ہے، یہاں پر داخلہ کے لیے وہابیوں اور دیوبندیوں اور عام فرقوں کی تکفیر کی تصدیق لازمی ہے۔ یہاں کے اساتذہ ہر اعلیٰ مسئلہ میں امام اہل سنت کو امام مانتے ہیں، یہاں پر حضور مفتی اعظم کا عرس ہوتا ہے، یوم رضا منایا جاتا ہے، یہاں پر پڑھنے والے، پڑھانے والے ادارے سے متعلق ہر شخص اعلیٰ حضرت کو مجدد مانتا ہے اور حضور مفتی اعظم ہند کو مفتی اعظم مانتا ہے۔ یہاں کا ہر طالب

شیخ الحدیث مدرسہ فیض العلوم، کیمری، رامپور

علم، معلم اور اراکین و سربراہ بریلی شریف کو اہل سنت کا مرکز مانتے ہیں، اشرفیہ نے بے مثال خطیب، عظیم قلم کار، صحافی، مفکر اور مدرس دنیاے اہل سنت کو عطا کیے ہیں۔ یہاں پر مجلس شرعی قائم ہے، جہاں پر ماہر علما نت نئے مسائل پر بحث کرتے ہیں، اس کے بعد ہر مسئلہ کی تنقیح کرتے ہیں اور پھر وہ قوم کو بتایا جاتا ہے۔ تنظیم ابناے اشرفیہ ملت کی قیادت کی ذمہ داری کاندھوں پر اٹھائے ہوئے ہے۔ یہاں پر سنجیدہ فکر علما سے محبت اور ملت کے لیے قربان ہونے کا جذبہ طلبہ کو دیا جاتا ہے، چند سال سے تنظیم عرس حافظ ملت کے موقع پر دو اہم شخصیات کو "حافظ ملت ایوارڈ" دیتی ہے۔ آج اکثر اداروں میں جو علمی انحطاط آرہا ہے، اس کو دیکھ کر ملت کے خیر خواہ تڑپ اٹھتے ہیں مگر اشرفیہ ان کی خوشیوں کا سبب بن جاتا ہے اور اس کی خدمت سے دل کو سکون مل جاتا ہے۔

یہاں سے ایسی کتابیں اور علمی تحقیقات قوم کو دی جارہی ہیں جس سے مسلمانوں کے خلافت عباسی کے دور کی یاد تازہ ہورہی ہے۔ شرح عقائد کا حاشیہ، حدوث الفتن و جہاد اعیان السنن، علامہ غلام نبی کی کتاب الدروس العربیہ کی نئی ترتیب، بخاری شریف کی شرح، توضیح تلویح کی شرح، شرح المتنبی، کیا کوئی معمولی کام ہیں، کتنا وقت خرچ کرتے ہیں، یہاں پر تحقیقات میں کتنی محنت کرتے ہیں اشرفیہ کے شعبوں میں کام کرنے والے مصنفین، ان کا راتوں رات جاگنا، کئی بار لکھنا اور کئی بار تصحیح کرنا، کیا یہ سب جگر پگھلانے والا کام نہیں ہے؟ بے شک ان کے لیے کوئی دعا کرے نہ کرے، مگر سمندر کی مچھلیاں، آسمانوں پر فرشتے اور امام اہل سنت کی روح ضرور دعا کرتی ہوگی۔ ان کے قلموں کی سیاہی پر میدان محشر میں قوموں کو ضرور رشک آئے گا۔

اشرفیہ ایک تحریک ہے، ایک بہار ہے۔ اشرفیہ ایک دمکتا سورج ہے، یہاں پر کتنے استفتا روزانہ آتے ہیں اور مفتیان کرام کی ایک جماعت ان کا حل تلاش کرنے میں کتنی محنت کرتی ہے، کون اندازہ کرسکتا ہے، ان کی محنت کا۔

مجھے اگر کسی کی تحقیق سے اختلاف ہے تو اختلاف کا حق ہے مگر میں یہ تو دیکھوں کہ یہاں کے مفتیان کرام نے کوئی بات بلا دلیل تو نہیں کہ دی ہے، تنہا ایک شخص نے تو نہیں کہ دی ہے، کسی مسئلہ کا حل نکالنے میں ماہر علما کی پوری جماعت سے راے لی جاتی ہے تو مجھے ناراض ہونے کا حق نہیں، ہاں اگر میں اس لائق ہوں کہ دلیل لاؤں تو مجھے لانا چاہیے، اور اگر ان چند فروعی مسائل کو الجامعۃ الاشرفیہ کے لیے بدنامی کا سبب بناؤں اور اسٹیج سے اس کے خلاف تحریک چلاؤں اور ان پر طعن کروں تو شاید یہ میری اچھی نیت کی علامت نہیں ہے۔ مجھے فوراً اس بات پر غور کرنا چاہیے کہ میرا یہ قدم ملت کے مفاد میں ہے یا نقصان میں۔ کیوں ایسا نہ ہو کہ اغیار کی جماعت جو اشرفیہ سے اہل سنت کی نمائندگی سے خوف زدہ تھی وہ میری باتوں کو بہانہ بنا کر پوری جماعت اہل سنت کو نقصان پہنچائے، اگر ایسا ہوا تو تاریخ مجھے شاید میر و جعفر کے ساتھ ذکر کرے گی۔

تحقیق کا ایک مزاج ہوتا ہے، جو جتنے زیادہ مسائل سے دوچار ہوتا ہے اس کی تحقیق کا دامن اتنا وسیع ہوتا ہے، اشرفیہ سے متعلق محققین جیسا کہ میں جانتا ہوں، کسی مسئلہ پر سرسری اور سطحی نظر نہیں ڈالتے ہیں، مجلس شرعی کے مقالات کو پڑھ کر لوگ اندازہ لگا سکتے ہیں کہ یہاں پر محققین کی نظر کتنی بلند ہوتی ہے، یہاں پر سابقہ تحقیقات اور کتب و مراجع کا ایک سمندر ہے، جن میں غوطہ زن ہونا اور در شہوار نکالنا کوئی یوں ہی آسان کام نہیں ہے۔

ہم اپنی قوم کے بزرگوں، علما، مرشدین، علمی مراکز قائم کرنے والوں کی تہ دل سے تعظیم کرتے ہیں، مگر اے دوستو، اے ملت کے بزرگو! اے نوجوانو! ہر ایک کی خدمت کا اعتراف کرنا چاہیے، کیوں کہ اس سے اس فرد کا حوصلہ بڑھے گا، شاید وہ قوم کے لیے اور مفید سے مفید تر کام کرے، حوصلہ شکنی نہ کرو، دل نہ توڑو، کام کرنے والوں کو سراہو، آج بھی ہماری قوم میں وہ ہستیاں ہیں جن کی جنبش لب کے انتظار میں ہزاروں قطار در قطار کھڑے ہوتے ہیں، اہل اشرفیہ کو ان کی اس پاک زبان سے حوصلہ کی امید ہے، بلند نگاہی کی امید ہے۔

ہمیں قوی امید ہے کہ وہ ہستیاں دعاے سحری میں اشرفیہ کو نہ بھولیں گی اور ہم سمجھتے ہیں کہ ان ہستیوں کے دل ملت کے لیے درد سے خالی نہیں ہیں، اس لیے ان کے یہاں سے کبھی کوئی اعلان نہیں ہوگا، جو قوم کے کسی ادارے، کسی مخلص فرد کی تکلیف کا سبب بنے۔

آمین و صلی اللہ علی النبی الامی الامین و علی آلہ و اصحابہ اجمعین

---


## کشن گنج میں
## ماہ نامہ اشرفیہ حاصل کریں

**انڈیا بک اسٹور**

**پوسٹ کشن گنج، ضلع کشن گنج (بہار) 855107**

تاریخی حقائق

# اسلام کا نظامِ عدل و توازن

مولانا محمد فروغ القادری

کون و مکاں کے تاج دار حضور نبیِ اکرم ﷺ جو نظامِ حیات، آئینِ زندگی اور نظمِ کرم لے کر جلوہ گر ہوئے تھے وہ کائنات آفاق و انفس پر ازل سے لے کر ابد تک ہر حیثیت سے حاوی ہے۔ گلشنِ ہستی کا ہر ذرہ ان کی رحمتوں سے مستفیض ہے۔ ان کی ذاتِ گرامی ایک ماہر قانون داں کی بھی تھی۔ حقوق انسانی کے تمام بنیادی قوانین ان کے عہدِ رسالت میں بنائے اور نافذ کیے گئے۔ آپ نے صحرا کے مسکینوں میں فکری، عملی اور تہذیبی انقلاب برپا کیا اور فکر و نظر کے پیمانے بدلے، معاشرے میں اعتدال و توازم، باہمی قوتِ برداشت، رواداری اور بردباری کا حوصلہ عطا کیا۔ جرائم کے سدِباب کے لیے تعزیراتی قوانین مرتب فرمائے، جہاں ایک ہی صف میں آقا و غلام، محمود و ایاز دونوں کھڑے تھے۔ طبقاتی، لسانی اور نسلی تفاخر کی جگہ مساوات کا درس دیا اور تقویٰ و طہارت کو تکریم انسانی کی اساس قرار دیا۔ آپ نے بچوں، عورتوں اور مردوں سمیت تمام مخلوقات کے حقوق و ضوابط دنیا کے سامنے رکھے اور ایک اصلاح پسند داعی اور عدل نواز حکمراں کا کردار حد درجہ خوش اسلوبی سے نبھایا۔

بلا شبہہ رسولِ گرامی وقار ﷺ کا سب سے بڑا معجزہ بھی یہی ہے کہ آپ نے اپنے بے مثال اور انقلاب انگیز کردار و عمل کے نفاذ کے لیے کسی معجزے کا سہارا نہیں لیا، بلکہ اپنی دعوتی جد و جہد کے ذریعہ سے عام انسانوں کو قرآنی ہدایات کے مطابق اپنی بہترین خوبیاں بروے کار لانے کا حوصلہ بخشتے رہے۔ معاشرتی اور قومی جرائم کے خاتمے کے لیے انتقامی کارروائی کے بجاے عفو و درگزر، صلح و مصالحت اور رحمتوں کا راستہ اختیار کیا۔ حتیٰ کہ اپنے ساتھ ظلم و زیادتی کرنے والوں کی عدم موجودگی کو بھی اپنی پاکیزہ محافل میں شدت سے محسوس کیا اور ان کی خیریت دریافت کر کے ان کے دل و دماغ کو جیت لیا۔

در اصل اسلام ایک بامقصد متحرک اور اقدام پذیر نظامِ حیات ہے، جو اعلیٰ ترین زندگی اور تہذیبی و تمدنی اقدار کے حصول کے لیے ہر لمحہ کوشاں ہے۔ وہ دنیا کو اجتماعی نصب العین کی طرف بلاتا ہے۔ اس کا مقصد یہ ہے کہ اس کے ذریعہ دنیا سے ظلم، فساد، شر اور استحصال کا خاتمہ ہو۔ ہر فرد کو فکری و شعوری طور پر آزادی حاصل ہو اور وہ معاشرے میں عزت و آبرو کی زندگی بسر کر سکے۔ ایک فرد دوسرے فرد کا، ایک طبقہ دوسرے طبقے کا احترام کرنا سیکھے۔ در اصل اسلام احترامِ انسانیت کا مذہب ہے۔ وہ نبیِ برحق کے لائے ہوئے نظامِ حیات اور کتاب الٰہی کے احکام و فرامین اور اس کے زریں اصولوں پر عدل و انصاف پر مبنی معاشرے کی تعمیر و تشکیل کرنا چاہتا ہے۔ قتل و غارت گری، شر و فساد، انصاف کی عدم فراہمی، مظلوموں کی فریادرسی سے بے اعتنائی، راستی و راست بازی سے نفرت اور طبقات اشرافیہ کی غلط کاریوں پر معنیٰ خیز خاموشی کو اسلام ناقابلِ برداشت جرم تصور کرتا ہے۔ یہ اس کے تئیں گم راہی و ضلالت، تہذیب و تمدن سے بیگانگی اور معاشرتی استحکام کے خلاف بات ہے۔ امن و اخوت کی جہانگیری، اتحاد و یگانگت کی فراوانی ایک اسلامی فلاحی معاشرے کی بنیاد ہے۔ تقویٰ و پرہیز گاری، اعتدال و مساوات، انسانی تمدن کے خصائص ہیں، جس پر اسلا اپنے عہدِ حکمرانی کے آغاز سے ہی باضابطہ زور دیتا ہے۔ اسلام نے قانون کے نفاذ سے پہلے دلوں کی پاکیزگی کا سامان فراہم کیا ہے۔ آج دنیا بھر میں جرائم کا اضافہ صرف اس لیے ہوا ہے کہ لوگوں کی اکثریت اخلاقی قدروں اور اپنے بنیادی حقوق کی بازیابی سے محروم ہیں۔ جس معاشرے میں ناانصافی اور محرومیت ہوگی، وہاں جرائم، دہشت گردی اور فتنہ و فساد کا ہونا لازمی ہے۔ تجربہ و مشاہدات یہی کہتے ہیں کہ تسلسل کے ساتھ کیے جانے والے غیر مصلحت انگیز فیصلوں کی وجہ سے آج پوری دنیا کئی بحرانوں کا شکار ہے۔ ایک طرف شدت پسندی اور دوسری طرف لوگوں کی دینی و سیاسی تربیت نہ ہونے کی وجہ سے عدم برداشت کا عام رجحان پایا

جاتا ہے۔ پائیدار، موثر اور قابلِ اعتماد سیاسی عمل کے فقدان کی وجہ سے معاشرے میں انصاف و مساوات دور دور تک نظر نہیں آتا۔ اس کے نتیجے میں مذہبی جنون، کلاشن کوف، منشیات اور لسانی دہشت گردی کا کلچر عام ہو رہا ہے۔ آج ایشیا و یورپ، امریکہ و افریقہ کے انھیں ممالک میں تشدد کے عام عناصر پائے جاتے ہیں جہاں کے لوگ انفرادی یا اجتماعی سطح پر ناانصافیوں اور طبقاتی کش مکش کے شکار ہیں۔ اسلام نے طبقاتی امتیازات و اختلافات کے خاتمے کے لیے انصاف کی فراہمی کو بہر صورت مقدم قرار دیا ہے۔ جسے بعد میں دنیا کے کئی ایک اہم ارباب اقتدار نے اپنے ملکی و سیاسی ارتقا کے منشور میں نمایاں طور پر شامل کیا ہے۔ اور یہ در اصل نبیِ رحمت ﷺ کے لائے ہوئے نظامِ رحمت کی برکات ہیں۔

برطانوی وزیر اعظم سر ونسٹن چرچل نے کہا تھا کہ اگر انگلستان کی عدالتوں میں انصاف ہوتا رہا تو برطانیہ عالمی جنگ عظیم میں شکست کا سامنا ہر گز نہیں کرے گا۔ یہی وہ وجہ ہے کہ جس نے عالمی سطح پر اسلام اور مسلمانوں کو پذیرائی بخشی اور طارق بن زیاد کو اندلس کے ساحل پر اپنی کشتی جلانے کا حوصلہ دیا۔

اسلام امن و سلامتی کا دین ہے، یہ روے زمین پر صلاح و فلاح چاہتا ہے، اپنے ماننے والوں کو سکون و اطمینان سے رہنے کا درس دیتا ہے۔ اقوامِ عالم کو آرام و چین اور پر امن زندگی گزارنے کا سلیقہ بتاتا ہے۔ فتنہ و فساد اور جنگ و جدال کی مخالفت کرتا ہے۔ اسلام چاہتا ہے کہ دنیا میں رہنے والے انسان اخوت و محبت کے حقیقی جذبات سے سرشار ہو کر زندگی کی ایک نئی صبح کا آغاز کریں۔ اسلامی تعلیم جو فرد سے امن و سلامتی، سکون و اطمینان اور ایک مہذب و پر وقار معاشرے کی تشکیل کا مطالبہ کرتی ہے۔ ہمارا دین اس بات کا متقاضی ہے کہ اگر کوئی معاشرے کا امن و امان اور سلامتی کو نقصان پہنچائے، افراد کے حقوق پامال کرے، پر امن شہریوں کا قاتل بن جائے تو اسلام ایسے مجرموں کے خلاف نہ صرف اعلان جنگ کرتا ہے، بلکہ اس وقت تک لڑنے کا حکم دیتا ہے، جب تک کہ امن بحال نہ ہو جائے۔

اسلام نے اجماعی و افرادی جرائم کے سدِ باب کے لیے باضابطہ قوانین وضع کیے ہیں اور عدالتی فیصلے اسی کے مطابق صادر کیے جائیں گے۔

قرآن عظیم میں افراد انسانی کے ایسے اقدامات کی مذمت کی گئی ہے، جن سے امن کو خطرہ لاحق ہو اور زمین میں فساد پھیلے۔ اسلام کسی ایک شخص کی جان بچانے کو پوری انسانیت کی جان بچانے اور کسی ایک شخص کی ہلاکت پوری انسانیت کی ہلاکت سے تشبیہ دے کر ایک طرف احترامِ انسانیت، تحفظِ انسانیت اور بقاے حیاتِ انسانی کے ضمن میں اپنی لازوال تعلیمات کا خلاصہ پیش کرتا ہے۔ اور دوسری طرف افراد انسانی کو باہمی تعامل میں کسی بھی طرح انسانیت کش سوچ اور سفاکانہ رویے کو انتہائی واضح اور غیر مبہم الفاظ میں مسترد کرتا ہے۔ آج دنیا بھر کے مہذب قوانین میں حرمتِ نفس کو جو درجۂ کمال اور شعوری ارتقاع حاصل ہوا ہے وہ اسی انقلاب کے براہِ راست نتائج ہیں جو رحمتِ عالم ﷺ نے اپنے اخلاقِ حسنہ کے ذریعہ سے ریگ زار عرب کے مکینوں میں برپا کیا تھا۔

بعض مغربی مفکرین کے یہاں یہ عام تاثر پایا جاتا ہے کہ موجودہ زمانے میں سماجی اور سیاسی نظام کے اعتبار سے جو ترقیاں پائی جاتی ہیں، ان سب کی بنیاد جمہوریت اور اظہارِ خیال کی آزادی ہے کہ یہ در اصل انقلاب فرانس (۱۷۸۹ء) تھا جس کے بعد دنیا میں جمہوریت کا دور آیا۔ مگر یہ بات واقعتاً صحیح نہیں ہے، انقلاب فرانس ایک تاریخی عمل کا نقطۂ انتہا تھا، یہ تاریخی عمل انقلاب فرانس سے بہت پہلے جزیرہ نماے عرب میں اسلامی انقلاب کی شکل میں رونما ہو چکا تھا۔ قرآن عظیم میں اس تعلق سے یہ اصولی حکم ان الفاظ میں دیا گیا تھا۔ ”وَاَمْرُهُمْ شُوْرٰى بَيْنَهُمْ“ (۴۲/۴۸)

یعنی وہ اپنا کام باہمی مشورے سے کرتے ہیں۔

(Their Affairs are decided by mutual consultation)

وہ چیز جسے موجودہ زمانے میں نظامِ جمہوریت کہا جاتا ہے، اسی کو قرآن میں نظامِ شوریٰ سے تعبیر کیا گیا ہے۔ شوریٰ کا یہ تصور اسلام کے اجتماعی نظام کی بنیاد ہے۔

عہدِ رسالت کے ابتدائی مرحلے میں دو عظیم شہنشاہیت، ساسانی ایمپائر اور دوسرے بازنطینی ایمپائر ملک عرب کے وسیع و عریض خطے پر جبری نظام پر مبنی حکومت کے نمائندے بنے ہوئے تھے، پیغمبرِ انقلاب ﷺ نے ان حکمرانوں کو اپنے سفرا کے ذریعہ خطوط ارسال فرمائے، اس کا مقصد یہ تھا کہ حکمراں پر امن طور پر اپنے جابرانہ طرزِ حکومت کو ختم کرنے کے لیے تیار ہو جائیں، مگر ایسا نہ ہو سکا، ساسانی حکمراں اس قدر گستاخ تھا کہ اس نے آپ کے مکتوبِ گرامی کو حقیر سمجھتے ہوئے پھاڑ کر پھینک دیا۔ اصحاب رسول کو یہ بات حد درجہ ناگوار گزری اور انھوں نے برسوں کی مطلق العنان شہنشاہیت کے تخت و تاج کو اپنے قدموں تلے روند ڈالا۔ یہ دونوں ایمپائر انسانوں کی آزادانہ ترقی کی راہ میں سب سے بڑی رکاوٹ بنے ہوئے تھے، کون و مکاں کے تاج دار کے قدمِ ناز پر اپنی نقدِ جاں پیش کرنے والے وفاکیش اصحابِ رسول نے اپنی غیر معمولی قربانی اور جذبۂ ایثار کے ذریعہ ایک ایسے فرسودہ نظام کا خاتمہ کیا جس کی بنیاد ظلم و جبر اور انسانی لاشوں پر رکھی گئی تھی۔ اس واقعے کے نتیجے میں انسانیت کو ایک نئی صبح میسر آئی اور ایک نئے دور کا آغاز ہوا۔ اخلاقی، تہذیبی و تمدنی جرائم کے سدِ باب کی راہوں میں یہ پہلی ناقابلِ تسخیر پیش قدمی تھی جس

نے زمین کے معروضی نقشے کو بدل دیا۔ جسے تاریخ کے روایتی نظام کا خاتمہ کہا جائے گا۔

مشہور فرانسیسی مورخ ہنری پرین نے کھلے طور پر اس تاریخی حقیقت کا اعتراف اس طرح کیا ہے:

Islam changed the face of the globe. The traditional order of history was over thrown,.

(History of west Europe)

قرآن عظیم نے محسنِ انسانیت، معلمِ کائنات علیہ التحیۃ والثنا کے ہر قول وفعل کو "اسوۂ حسنہ" اور قانون کی حیثیت دی ہے اور ہر راسخ فی العلم اور باصلاحیت شخص کو تفکر، تدبر، تعقل، تذکر اور استنباط کی دعوت دی ہے۔ اس حکم کے باعث اسلامی فقہا کا کام بے حد آسان ہو گیا ہے۔ اگر قرآن عظیم میں تفصیلاً یا اجمالاً کسی بات کا ذکر نہ ہو تو احادیثِ نبویہ میں اس کی تفصیل تلاش کی جائے، دوسری جانب حضور نبی اکرم، شارعِ اعظم ﷺ نے نہ صرف یہ کہ قیاس اور استنباط سے کام لیا بلکہ اس کی باضابطہ صراحت کے ساتھ اجازت بھی عطا فرمائی۔ جیسا کہ حضرت معاذ بن جبل گورنرِ یمن کے تقرر نامے میں مذکور ہے۔

اگرچہ قرآن وحدیث کی تصریحات کی تنسیخ قیاس کے ذریعہ سے نہیں ہو سکتی، تاہم قیاس وتعبیر علما وفقہا کو اپنے انفرادی رائے کے نفاذ میں وسیع ترین گنجائش فراہم کرتی ہے۔ اور خود اجماع کے تعلق سے فقہا نے اس طرح کی سہولیات سے استفادہ کیا ہے۔ جب تک ان اجازتوں سے مقتضائے حال کے مطابق فائدہ اٹھایا جاتا رہا، اسلامی قانون میں عصرِ جدید کا ساتھ دینے کی گنجائش رہی، وہ ارتقا پذیر رہا، اور جب سے قدیم فقہا کے فیصلوں کے تناظر میں عصری ضروریات کے لیے اجتہاد کا دروازہ بند کر دیا گیا، تو اس سے عالمی پیمانے پر "قانونِ اسلامی" کو بے حد نقصان پہنچا ہے۔

اسلامی معاشرے کی تشکیل، فرد کی تعمیرِ شخصیت اور حیاتِ اجتماعی کے تمام شعبوں کی صورت گری کے لیے بنیادی اقدار اور اولین معیار فقہِ اسلامی مہیا کرتی ہے، جو قرآن وسنت کا عرقِ لطیف، تعاملِ امت کی روح اور ائمۂ اجتہاد کی فکری کاوشوں کا حاصل ہے۔ فقہ اپنی جامعیت، تنوع اور دائرۂ عمل کے لحاظ سے حیاتِ انسانی کی بے کراں وسعتوں سے ہم کنار اور اپنے اصول وفروع کی لامتناہی کثرت کے ساتھ کبھی نہ خشک ہونے والا چشمۂ علم وحکمت ہے جس کی نظیر اقوامِ عالم میں نہیں ملتی۔ اصولِ فقہ اپنے علمی، فکری اور تہذیبی تناظر میں حیاتِ انسانی کے تمام گوشوں کا احاطہ کیے ہوئے ہے۔ لغت اور زبان وبیان کے اسالیب سے لے کر منطق وفلسفہ کی گہرائیوں تک اس کا اثر ونفوذ موجود ہے۔ پوری دنیا کی تاریخ فکر وفن میں حیاتِ انسانی کی ارتقائی عظمتوں کے تحفظ کے لیے اصول قانون کی باضابطہ تدوین وتہذیب کا شرف وامتیاز صرف امتِ مسلمہ کو حاصل ہوا ہے۔

قرآن عظیم میں ملکی وبین الاقوامی سیاست اور پھیلتے ہوئے جرائم کے سدِ باب کے قواعد وضوابط خاصی تفصیل کے ساتھ ملتے ہیں جن سے جنگی ادوار اور حالتِ امن ومصالحت میں مسلمان حکمرانوں کے غیر جانب دارانہ رویوں پر رہنمائی مقصود ہے۔ کون ومکاں کے تاج دار محسنِ انسانیت ﷺ نے ایک مملکت کی بنیاد رکھی اور اس موجودہ معاشرے سے انفرادی واجتماعی جرائم کے خاتمے کے لیے موثر ترین اقدامات فرمائے۔ قبائل کے مابین احساسِ محرومیت کو ختم کرتے ہوئے ایک مرکزیت اور تنظیم پیدا کی۔ عربوں کو ان کی برسوں کی خانہ جنگیوں میں اپنی توانائیاں ضائع کرنے سے روک کر انھیں اپنے زمانے کا عظیم فاتح بنا دیا۔ ان کے ذہنوں سے احساسِ کم تری کے اسباب وعناصر کو نکال کر ان میں صحت مند اور تعمیری جذبہ بھر دیا۔ یہی وہ احساس برتری یا احساس خود شناسی تھا جسے لے کر یہ صحرا نشیں عرب وعجم پر غالب ہو گئے۔ بلا شبہہ یہی وہ ایقان یا فرائضِ منصبی کی ادائیگی کا احساس تھا جس نے انھیں بحر وبر کی وسعتوں میں حکومتِ الٰہیہ قائم کرنے کی غرض سے اپنی ہر متاعِ حیات کو قربان کرنے پر آمادہ کر دیا۔

جرائم کے خاتمے کے لیے ریاستی قوانین کے ساتھ بین الملکی قوانین بھی قرآن عظیم میں بڑے واضح طور پر ملتے ہیں، مثلاً انتقامی جنگ، معاہدات کی تعمیل، مدافعت، میدانِ جنگ میں انسانی ہمدردی، مذہبی رواداری، غیر مسلم رعایا سے برتاؤ، قیدیوں کے ساتھ حسنِ سلوک، پناہ گزیں کو امن وامان کی فراہمی، مفتوحہ اراضی کا انتظام، نظامِ حکمرانی میں غیر جانب دارانہ رویوں کی تاکید۔

وَلَكُمْ فِي الْقِصَاصِ حَيَاةٌ يَا أُولِي الْأَلْبَابِ. (القرآن ۲/۱۷۶)

ترجمہ: اے عقل والو، قصاص میں تمھارے لیے زندگی ہے۔

جان کے بدلے جان لینے کو قصاص کہتے ہیں، اس میں زندگی کے حصول کی حکمت کو نمایاں کیا گیا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ مغربی ممالک کے بر خلاف جہاں اسلامی حدود کے نفاذ کا باضابطہ نظام موجود ہے وہاں جرائم کا تناسب بے حد کم ہے۔ مستشرقینِ یورپ نے اسلامی سزاؤں کے نفاذ کو حقوقِ انسانی کے خلاف قرار دیا ہے۔ مگر غالباً انھیں اس بات کا ہرگز علم نہیں کہ جرائم کے سدِ باب اور مجرمین کی سزاؤں کے تعلق سے اسلام نے جس قدر محتاط رویہ اختیار کیا ہے، دنیا کی ترقی یافتہ اور مہذب قومیں اس سے کوسوں دور ہیں۔ اسلام میں فیصلوں کے صادر کرنے سے پہلے جج کا عادل، منصف متقی

اور غیر جانب دار ہونا ضروری ہے محض شکوک و شبہات اور قیاس آرائیوں کی بنیاد پر شرعی حدود کا اطلاق ہر گز نہیں ہوگا۔ ایک ضابطہ ہے کہ-

لا یجوز اثبات الحدود من طریق القیاس و إنما طریق إثباتها التوقیف.

ترجمہ قیاس کے ذریعہ سے حدود کو ثابت کرنا جائز نہیں ہوتا، بلکہ اس کے اثبات کا ذریعہ توقیفی ہوتا ہے۔ (یہ قول علمائے احناف اور ان کے متبعین کا ہے)

مذکورہ بالا قاعدے کا مفہوم یہ ہے کہ حدود و تعزیرات کے اثبات کے لیے قرآن، حدیث اور اجماع میں سے کسی دلیل کا ہونا ضروری ہے۔ صرف قیاس کے ذریعہ حدِ شرع ثابت نہیں ہو سکتی۔

**حد کی تعریف:** الحد عقوبة مقدرة یجب حقًا للہ تعالیٰ.

(شرح وقایہ، ج:۲، ص:۲۷۶)

ترجمہ: حدود وہ مقررہ سزا ہے، جو اللہ تعالیٰ کا حق ہونے کی وجہ سے لازم ہوتی ہے۔

بہ الفاظ دیگر حد اس مخصوص سزا کا نام ہے جس کی مقدار من جانب اللہ مقرر ہوتی ہے۔ اور اپنی رائے سے اس میں کمی و بیشی کا اختیار کسی کو بھی حاصل نہیں ہوتا۔ اس لیے کہ اس کے ثبوت کے لیے ایسی دلیل کی ضرورت ہوتی ہے جو قطعی ہو اور تمام شکوک و شبہات سے پاک ہو۔ اور محققین کے نزدیک ایسی دلیل محکم، قرآن، حدیث اور اجماع ہے، جب کہ ان کے مقابلے میں قیاس دلیلِ ظنی ہے اور وہ نفاذ حد کے ثبوت کے لیے ہر گز کافی نہیں۔ جیسا کہ نور الانوار میں ہے:

صح اثبات الحدود و الکفارات بدلالة النصوص دون القیاس لأجل انّ الدلالة قطعیّة و القیاس ظنّی یصح اثبات الحدود و الکفارات بالأول دون الثانی.

(نور الانوار:۱۵۳)

حدود اور کفارات کو دلالۃ النصوص کے ساتھ ثابت کرنا صحیح ہے، نہ کہ قیاسات کے ساتھ اس لیے کہ نصوص کی دلالت قطعی ہوتی ہے اور قیاس کی دلالت ظنی ہوتی ہے۔ اس لیے حدود و کفارات کا اثبات اول (دلالۃ النصوص) کے ساتھ صحیح ہوتا ہے نہ کہ ثانی (قیاس) کے ساتھ۔

مذکورہ بالا سطور سے یہ بات بالکل واضح ہوجاتی ہے کہ اسلام میں سزاؤں کا نفاذ محض شکوک و شبہات کی بنیاد پر ہر گز نہیں ہوسکتا، جب تک کہ ٹھوس اور معیاری شواہد موجود نہ ہوں۔ دنیا بھر کے قانون ساز ادارے اپنے عدالتی کارروائیوں میں جرائم کے سدِباب کے تعلق سے اگر اسلامی اصولیات سے استفادہ کریں تو میں سمجھتا ہوں کہ محسوس دنیا کا ایک بہت بڑا حصہ طبقاتی و نسلی اختلافات، دہشت گردی، قتل و غارت اور منشیات فروشوں کی دست رس سے محفوظ ہو سکتا ہے۔ بلا شبہہ حالیہ دنوں میں دہشت گردی، فرقہ وارانہ فسادات اور انتقامی کارروائیوں کے نتیجے میں ہزاروں جانیں ضائع ہو چکی ہیں۔ عالمی جرائم کی ان مختلف صورتِ حال سے نمٹنے کے لیے قانون کا موثر ہونا بے حد ضروری ہے۔ ساتھ ہی قانون نافذ کرنے والوں اور عدلیہ کا کسی خارجی سیاسی دباؤ سے آزاد اور غیر جانب دار ہونا بھی فیصلوں کی شفافیت میں اہم کردار ادا کرتا ہے۔ لیکن جتنا یہ پہلو اہم ہے، اتنا ہی اہم یہ پہلو بھی ہے کہ تمام انسانوں کے بنیادی حقوق کا تحفظ اور ملکی قانون کے تحت انصاف کی فراہمی کو یقینی بنایا جائے، اور قانون کے غلط استعمال کے ہر دروازے کو بند کر دیا جائے۔ معاشرتی و قومی ہم آہنگی، قوتِ برداشت، تادیب و توازن، تعلیمی و تربیتی شعور و ادراک اور قانونی دائرے میں رہتے ہوئے ایک موثر نظام زندگی کی تشکیل و تعمیر کے بغیر کسی ملک میں امن و امان اور عدل و انصاف قائم نہیں ہو سکتا۔

اسلام واحد نظامِ زندگی ہے جہاں اشتراکیت اور باہمی مساوات کا رویہ پایا جاتا ہے۔ وہ اس بات کی تعلیم دیتا ہے کہ دنیا کی ہر شے سب کی مشترک ملکیت ہے۔ اسلام میں ذخیرہ اندوزی اور گلوبلائزیشن کا کوئی تصور نہیں ہے۔ یہاں امیروں کی دولت میں غریبوں کا حق نمایاں طور پر موجود ہے۔ ہم اس بات سے قطعی انکار نہیں کر سکتے کہ دنیا کے تمام مذاہب میں اسلام ہی صرف ایک ایسا مذہب ہے، جو تمام قومی، نسلی اور لسانی قیود و حدود کو دور کر کے ایک عالمی اخوت اور برادری کا نظریہ پیش کرتا ہے۔ اسلام نے رنگ و نسل اور طبقاتی امتیازات کا یکسر خاتمہ کر دیا ہے۔ ایک عالم گیر انسانی برادری کا خواب جو ہر طرح کے اخلاقی اور تہذیبی جرائم سے پاک ہو، اسلام کے بتائے ہوئے نقشِ حیات پر عمل کر کے ہی شرمندۂ تعبیر ہو سکتا ہے۔ اسلام صرف ایک مذہب ہی نہیں بلکہ ایک قانونی معاشرتی نظام بھی ہے جو مختلف اقوام اور نسلوں کو ایک عظیم رشتۂ وحدت میں منسلک رکھتا ہے۔ یہ ایک مکمل ثقافت، طریقِ حیات اور آئین جہاں بینی و جہاں بانی ہے جس کی اساس عمرانی مساوات اور انصاف پر استوار کی گئی ہے معلم کتاب و حکمت حضور سیدِ عالم ﷺ نے ساری کائنات انسانی کو ایک ایسا لازوال، آفاقی اخوت و محبت، عالمانہ رنگ و آہنگ، حریتِ فکر اور بصارت و بصیرت کے جواہرات سے آراستہ سیاسی قانون عطا فرمایا ہے جو صدیوں سے اقطارِ عالم میں بسنے والوں کے

دلوں پر حکومت کررہا ہے۔نبی اعظم مقنن اعظم بھی تھے،وحی الٰہی کی عام دفعات کی تعبیر وتشریح کا جو فریضہ آپ نے انجام دیا،اس کی شرح ونفاذ،غرض وغایت، اسرار وحکمت اور شعبہ ہائے حیات کی تفصیلات کے احاطے سے عقل انسانی معذور ہے۔علوم نبوی کی انتہائیں ہمارے دائرۂ تسخیر سے باہر ہے۔

موجودہ دور میں مغربی قانون سازوں نے بہت سی قانونی اصلاحات اسلامی تعلیمات کے زیر اثر اختیار کی ہیں۔امریکہ اور یورپ کا فلاحی نظام براہِ راست اسلام سے متاثر ہے۔اقوامِ متحدہ کے ایوانوں میں رنگ ونسل کے امتیازات کے خلاف جو آوازیں اٹھتی ہیں وہ اسلام ہی کے نظامِ عدل وتوازن کی صدائے بازگشت ہیں۔مغرب میں کلیسائی نظام اور مذہبی پیشوائیت کی مذمت،انسانی عقل وخرد کا حقیقی احساس،مطالعۂ کائنات کی اہمیت اور بین الاقوامی تنظیموں کا قیام،دراصل یہ سب کچھ اسلام کی تعلیمات ہی کے اثرات ہیں۔

مشہور مستشرق پروفیسر گب عالمی تہذیب وتمدن اور اس کی اثر انگیزیوں کے لیے اسلام کی ضرورت پر زور دیتے ہوئے لکھتا ہے:

"اسلام کو ابھی انسانیت کی ایک اور خدمت انجام دینی ہیں،لوگوں کے مراتب،مواقع،اور عمل کے لحاظ سے مختلف نسلوں کے درمیان مساوات قائم کرنے میں کسی سوسائٹی نے اس جیسی کامیابی حاصل نہیں کی ہے۔افریقہ، ہندوستان اور انڈونیشیا کے عظیم اور جاپان کے محدود مسلم معاشرے میں یہ بات بالکل عیاں ہوتی ہے کہ کس طرح اسلام مختلف نسلوں،غیر ضروری روایات اور نہ مٹنے والے اختلافات کو تحلیل کردیتا ہے۔اگر مشرق ومغرب کی عظیم سوسائٹیوں میں مخالفت کے بجائے باہمی تعاون اور مصالحت کی کوئی صورت پیدا کرنی ہے، تو اس کے لیے اسلام کی خدمات حاصل کرنا لازمی ہوگا۔"

لائف آف امریکہ (Life of America) کا ایڈیٹر اسلام کی صداقت وحقانیت اور اس کے عظیم الشان طرزِ حکومت کا اعتراف کرتے ہوئے لکھتا ہے کہ:

"اسلام کی فتوحات کے اسباب بحر روم کے ہم سایہ ملکوں کی بد نظمی اور عربوں کے پرجوش جذبات اور عسکری طاقت میں مضمر نہیں ہیں بلکہ اسلام کی مستقل طاقت اور اس کے استحکام کا انحصار اس کے صاف اور واضح عقائد پر ہے،جس نے اسلامی نظام کو چودہ سو سال سے برقرار رکھا ہے۔اسلام صرف ایک مجموعۂ عبادت ہی کا نام نہیں ہے، بلکہ وہ ایک عالم گیر نظامِ حیات ہے جو انسانی افکار وخیالات کی اس حد تک رہ نمائی کرتا ہے جس کا ہم سر یورپ میں کوئی نہیں ہے۔"

مغربی قوانین کے برعکس اسلامی قوانین میں کہیں بھی کوئی تضاد یا اختلاف اپنے اصولیات کے اعتبار سے ہرگز نہیں پایا جاتا،"فقہ اسلامی" میں قانون کی اصطلاح ایک دائمی اور آفاقی حیثیت رکھتی ہے،جس میں کسی کا تغیر ممکن نہیں۔اسلامی قانون وہ ضابطۂ عمل ہے جو وحیِ الٰہی سے ماخوذ ہے اور یہ ہر اعتبار سے غیر متبدل ہے۔اور مغربی قوانین کی بیش تر ناکامیوں کی وجہ یہ ہے کہ وہ عصری تبدیلیوں سے دو چار ہے اور عدم استحکام کا یہ عمومی رجحان اس وقت تک ختم نہیں کیا جاسکتا جب تک وہ آفاقی عالمگیر اور غیر محرف قرآنی وحی کو اپنے ملکی وبین الاقوامی قوانین کے نفاذ میں بطور ماخذ اور معیار تسلیم نہیں کرلیتے،صاف ظاہر ہے کہ فطرتِ انسانی کے باطنی اور بالفعل تقاضوں سے ناسازگار اور مسخ شدہ تصور کی بنیاد پر ایک غیر متبدل اور دائمی تصور قانون اخذ نہیں کیا جاسکتا۔

یہ شرف وامتیاز صرف اسلامی قانون کو حاصل ہے کہ وہ ہر دور اور ہر زمانے کے مسائل کا حل پیش کرسکے،اور جرائم کے خاتمے کے لیے اس کا عملی کردار سب سے زیادہ نمایاں ہو۔

ایک عظیم مغربی مفکر "سیسرو" اسلامی قوانین کو ایک دائمی اصول قرار دیتے ہوئے لکھتا ہے:

Law is neither cotrived nor decreed by man; It is an eternal principle which rules the whole universe, commanding what is right and prohibiting what is wrong. Hence law is no mere asrtefact but is the divine reason bestowed by the God on the human race. (Robson, W.A., Civilization and the Growth of Law)

ایک اور انگریز مفکر لکھتا ہے:

In Islam, the most conspicuouc fact about Mohammad (ﷺ) is that he was not merely a divine prophet but also a temporal ruler, who governed, judged, punished and legislated.

یعنی محمد (ﷺ) کا نمایاں ترین وصف یہ ہے کہ وہ محض ایک عظیم پیغمبر ہی نہ تھے بلکہ وہ ایسے حکمراں بھی تھے جو حکومت کی مسندِ انصاف پر متمکّن ہوئے، لوگوں کو (ان کے جرائم پر) سزائیں دیں اور قانون سازی کی۔غرض کہ اسلامی نظامِ عدل وتوازن اپنی جگہ نہایت واضح مستحکم اور لافانی ہے۔

☆☆☆☆

افکار

# دارالقضا کی ضرورت

## حدود، شرائط اور احکام

محمد مبشر رضا ازہر مصباحی

**قضا کا لغوی معنیٰ**: الحکم، فیصلہ. (المعجم الوسیط) قرآن کریم میں بھی قضا اس معنی میں مستعمل ہے ۔

**قضا کا شرعی معنی**: وهو فصل الخصومات وقطع المنازعات (درمختار ج ۲ ص ۷۱ نسخۂ قدیم)
یعنی لوگوں کے درمیان باہمی مصالحت کرنا اور تنازعات کو دفع کرنا۔

**اسلامی قانون کی ضرورت و اهمیت:**

اسلام ایک ایسا پاکیزہ اور کامل دین ہے کہ اس میں بلا امتیاز رنگ و نسل، مذہب وملت ہر شخص کی زندگی کا مکمل نظام موجود ہے۔ قانون اسلام آفاقی نظام، اپنی جامعیت، ٹھوس اصول اور وسیع فکر کی بنیاد پر ہر بشر کو اپنانے کی دعوت فکر وعمل دیتا ہے اور یہ صرف اس لیے کہ اس قانون کا مقابلہ کوئی مذہب کر سکتا ہے اور نہ کوئی دین، دیگر ادیان اور ممالک کے قوانین وضوابط کے کلیات و جزئیات انسانی فطرت کے خلاف تو ہو سکتے ہیں لیکن قانون اسلام کا کوئی ضابطہ فطرت انسانی اور بشری تقاضے، انسانی مزاج کے ہر گز خلاف نہیں ہو سکتے! کیوں کہ اس قانون کی بنیاد اس عظیم ہستی پر رکھی گئی ہے کہ وہ خود کامل و مکمل ہے، ان کے محاسن و خوبیاں انسانی عقل و فہم، فکر و شعور اور ادراک و آگہی سے بہت بلند و بالا ارفع و اعلی ہے، یہی وجہ ہے کہ اب اس قانون میں کسی قسم کی ترمیم و تنسیخ کی قطعاً کوئی گنجائش نہیں، یہ قانون قیامت تک کے لیے کامل و مکمل ہے۔ الیوم اکملت لکم دینکم و اتممت علیکم نعمتی.

**عصر حاضر میں دار القضا کی اهمیت و ضرورت :**

حیات انسانی دو حصوں میں منقسم ہے۔ ایک وہ جو شکم مادر سے شروع ہو کر موت پر اختتام پزیر ہوتی ہے اس کا نام دنیوی زندگی ہے۔ اور ایک وہ جو عالم برزخ کی منزلیں طے کرتی ہوئی ہمیشہ کے لیے قائم رہتی ہے اس کا نام اخروی زندگی ہے۔ صبح حیات اور شام زندگی کے ظاہری اعمال ہی در حقیقت حیات اخروی کی کامیابی و کامرانی اور سعادتمندی و فیروز مندی کے لیے بنیاد اور اسباب کا درجہ رکھتے ہیں اور اسی زندگی پر شریعت اسلامیہ کے احکام جاری ہوتے ہیں، نظام حیات کا ہر گوشہ چوں کہ قوانین اسلام کے حدود سے وابستہ ہے اس لیے اسلامی زندگی پر قوانین اسلام کے نفاذ اور مقدمات وتنازعات کے تصفیہ کے لیے ہر دور میں محکمۂ قضا کی ضرورت رہی اور قائم ہوتا بھی رہا اور ہوتا رہے گا۔ اور یہ ضروری بھی ہے کیوں کہ صالح معاشرہ کی تشکیل، بشری زندگی کا صحیح مزاج، خوشگوار زندگی، معتدل آئین، اخلاقی اقدار، اور حقوق انسانی کا حصول اس کے بغیر متصور ہی نہیں، یہی وجہ ہے کہ رسول کائنات ﷺ نے اپنی زندگی میں نظام قضا کی طرف خاص طور سے توجہ فرمائی اور قضا کے منصب پر متعدّد صحابۂ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کو مقرر فرمایا۔ اور صرف یہی نہیں بلکہ خود رسول اللہ ﷺ اور دیگر انبیاے سابقین علیہم الصلاۃ والتسلیم اللہ تعالیٰ کی طرف سے محکمۂ قضا پر مامور رہے۔

جیسا کہ اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں ارشاد فرماتا ہے:

فَلاَ وَرَبِّكَ لاَ يُؤْمِنُونَ حَتَّىَ يُحَكِّمُوكَ فِيمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ ثُمَّ لاَ يَجِدُواْ فِي أَنفُسِهِمْ حَرَجاً مِّمَّا قَضَيْتَ وَيُسَلِّمُواْ تَسْلِيماً.

(النساء ۶۵)

ترجمہ :- اے محبوب تمھارے رب کی قسم وہ مسلمان نہ ہوں گے جب تک اپنے آپس کے جھگڑوں میں تمہیں حاکم نہ بنائیں پھر جو کچھ تم فرمادو اپنے دلوں میں اس سے رکاوٹ نہ پائیں اور جی سے مان لیں؛

آیت مذکورہ کے اندر اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کو حکم دیا کہ لوگوں کے باہمی معاملات کو قرآن کریم کے موافق فیصلہ کریں۔

ایک دوسری آیت میں حضرت داؤد علیہ السلام کو فیصل بنانے کا ذکر ہے:

يَا دَاوُودُ إِنَّا جَعَلْنَاكَ خَلِيفَةً فِي الْأَرْضِ فَاحْكُم

پرنسپل: دارالعلوم شیخ احمد کھٹو، سرخیز (بڑی درگاہ) احمد آباد گجرات

بَیْنَ النَّاسِ بِالْحَقِّ وَلَا تَتَّبِعِ الْهَوٰی فَیُضِلَّکَ عَنْ سَبِیْلِ اللّٰہِ إِنَّ الَّذِیْنَ یَضِلُّوْنَ عَنْ سَبِیْلِ اللّٰہِ لَهُمْ عَذَابٌ شَدِیْدٌ بِمَا نَسُوا یَوْمَ الْحِسَابِ .(سورہ ص ٢٦)

ترجمہ:۔اے داؤد بے شک ہم نے تجھے زمین میں نائب کیا تو لوگوں میں سچا حکم کر اور خواہش کے پیچھے نہ جانا کہ تجھے اللہ کے راہ سے بہکادے گی بے شک وہ جو اللہ کے راہ سے بہکتے ہیں ان کے لیے سخت عذاب ہے اس پر کہ وہ حساب کے دن کو بھول بیٹھے۔(کنزالایمان)

رسول اللہ ﷺ نے اپنی حیات ظاہری میں متعدد صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کو مختلف شہروں کے لیے قاضی بناکر بھیجا جن میں سے حضرت معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو یمن کا قاضی اور حضرت عتاب بن اسید کو مکہ کا قاضی منتخب فرماکر روانہ فرمایا:

عن معاذ ان رسو ل اللہ ﷺ بعث معاذ الی الیمن فقال کیف تقضی فقال اقضی بما فی کتا ب اللہ قال فان لم یکن فی کتا ب اللہ قال فسنة رسول اللہ قال فان لم یکن فی سنة رسو ل اللہ قال اجتهد رائی قال الحمد للہ الذی وفق رسول اللہ (سنن ترمذی باب ما جاء فی القاضی کیف یقضی ج١ ص٥٧٣ رقم ١٣٢٧)

دوسری حدیث:

کان رسو اللہ ﷺ یبعث علی الآفاق قضاة فبعث سیدنا معاذ رضی اللہ عنه الی الیمن و بعث عتاب ابن اسید الی مکة (بدائع الصنائع ج٥ ص٤٣٨)

معاشرتی زندگی میں بہت سے مسائل ومعاملات درپیش ہوتے ہیں جس کی وجہ سے انسان کو قضائے قاضی کی ضرورت پڑتی ہے اور فی زماننا تواس کی اشد ضرورت ہے کہ لوگ دن بہ دن بے راہ روی کے شکار ہوتے جارہے ہیں اور شریعت سے دور ہورہے ہیں۔اور یہ بات بھی مسلم ہے کہ لوگوں کے درمیان تنازعات وواقعات ہورہے ہیں اور رہتی دنیا تک ہوتے رہیں گے،اسلام ہر دور اور ہر خطہ کے لیے ایک مکمل ضابطۂ حیات ہے اور اور اسلام ہی کا ایک نظام محکمۂ قضا ہے حیات انسانی کے بیشتر گوشہ کا تعلق محکمۂ قضا سے ہے خواہ مسلمان دارالاسلام میں ہو یا دارالحرب میں، بہرحال اسے محکمۂ قضا کی ضرورت ہے اس لیے آج بھی دار القضا کا قیام باضابطہ ہونا چاہیے تاکہ مسلمان قانون اسلام کے مطابق زندگی گزارسکیں۔

**ہندستان میں قاضی کی تقرری کی صورت اور اس کے شرائط:** قاضی کی تقرری کا اصل مجاز تو حاکم اسلام و سلطان اسلام کو حاصل ہے۔ہندوستان اگرچہ دارالاسلام ہے مگر یہاں اسلامی حکومت نہیں ہے اس لیے یہاں کے مسلمان باہمی مشورے سے جس صالح قضا شخص کو قاضی منتخب کرلیں وہی قاضی ہیں ورنہ اعلم علمائے بلد من جانب اللہ قاضی ہیں۔

علامہ ابن عابدین شامی ردالمحتار میں فرماتے ہیں:

"واذا لم یکن سلطان ولا من یجوز التقلد منه کما هو فی بعض بلاد المسلمین غلب علیهم الکفار کقرطبة فی بلاد المغرب الآن یجب علیهم ان یتفقوا علی واحد منهم یجعلو نه والیا فیولی قاضیا او یکون هو الذی یقضی بینهم"(ردالمحتار ج٥ ص٥٠٩)

(یعنی جب نہ سلطان اسلام ہو اور نہ ایسا مسلم حاکم کہ جس کی جانب سے قاضی کا تقرر جائز ہے جیساکہ آج مسلمانوں کے بعض شہروں میں کہ جس پر کفار غالب آگئے ہیں جیسے بلاد مغرب میں قرطبہ ہے ایسے شہر کے رہنے والے مسلمانوں پر واجب ہے کہ وہ اپنے میں سے کسی پر اتفاق کرکے اپنا والی بنالیں جو ان کے لیے قاضی مقرر کرے یا وہ ان کے مابین فیصلہ کرے۔)

امام اہل سنت امام احمد رضا محدث بریلوی الحدیقة الندیہ کے حوالہ سے رقم طراز ہیں:

اذاخلاالزمان من سلطان ذی کفایة فالامور موکلة الی العلماء و یلزم الامة الرجوع الیهم و یصیرون ولاة فاذا عسر جمعهم علی واحد استقل کل قطر باتباع علمائه فان کثروا فالمتبع اعلمهم فان استووا اقرع بینهم الخ، قطع نظر کنیم تارجوع مسلمین بلد بسوے اور خصومات وترافع باددر قضایاورضا بحکمش درفیصل ہا برائے قضائے شرعی اوبسندست ہمچو حالت تراضی مسلمین نائب مناب تقلید وتولیۂ سلطان دین ست۔فی جمعة رد المحتار عن معراج الدارية عن المبسوط لوالولاة کفارا یجوز للمسلمین اقامة الجمعة و یصیر القاضی قاضیا بتراضی المسلمین وفی قضائه عن التتارخانیه اما بلاد علیها ولاة کفار فیجوز للمسلمین اقامة الجمع والاعیاد و یصیر القاضی قاضیا بتراضی المسلمین "(فتاوی رضویہ جلد۷ ص٣٣٣)

ایک دوسری جگہ فرماتے ہیں:

" اسلامی ریاستوں میں والیان مسلمین جن حکام کو مقدمات فیصل کرنے پر مقرر کرتے ہیں وہ شرعا قاضی ہیں والی کی طرف سے جو اختیارات جائز انھیں سپرد ہوں گے وہ اختیار شرعی ہیں اگرچہ یہ ریاستیں زیر کفار ہوں ۔فی جامع الفصولین کل مصر فیه المسلم من جهة الكفار تجوز فيه اقامة الجمع والاعياد واخذ الخراج وتقليد القضا وتزويج الا يافى الاستيلاء المسلم عليهم اماطاعة الكفرة فهى موادعة ومخادعة الخ ."

(فتاویٰ رضویہ جلد ۷ ص ۳۲۸)

اور ہندوستان میں والی و حاکم نہیں ہے اس لیے مسلمان شرعی حیثیت سے اس کے مجاز ہیں کہ وہ باہم اپنی رضامندی سے کسی ایسے با صلاحیت شخص کو جو قضا کی خدمت انجام دے سکتا ہو اپنے لیے قاضی بنالیں۔

**شرائط:** مندرجہ ذیل شرائط قاضی کے لیے ضروری ہے ۔ "مسلمان ہونا، عاقل ہونا، بالغ ہونا ، آزاد ہونا ، اندھا نہ ہونا ، گونگا نہ ہونا، بالکل بہیرا نہ ہو کہ کچھ نہ سنے ، محدود فی القذف نہ ہو، اور یہی شرائط نائب قاضی کے لیے بھی لازم ہے۔" (بہار شریعت ج ۴ ص ۵۵)

**نائب قاضی کی تقرری کی صورت :**

مسلمانوں نے کسی صالح قضا کو قاضی القضاۃ بنایا ہو یا صراحۃً یا اشارۃً قاضی کو نائب قاضی کی تقرری کی اجازت دی ہو تو قاضی بذات خود اپنا نائب مقرر کرسکتا ہے ورنہ ارباب علم و دانش جس کو نائب قاضی منتخب کریں وہ نائب قاضی ہیں۔ اور نائب قاضی کے لیے وہی شرطیں ہیں جو قاضی کے لیے ہیں۔ فتاوی عالم گیری میں ہے:

"السلطان اذا قال لرجل جعلتك قا ضيا ليس له ان يستخلف الا اذا اذن له في ذالك صريحا او دلالة بان يقول له جعلتك قاضى القضاة لان قاضى القضاة هو الذى يتصرف فى القضاة تقليدا واجلا قاضى ذكر فى ذخيرة ."( فتاوی عالم گیری جلد ۳ ص ۳۱۵)

**اصل قاضی کے ہوتے ہوئے کیا نائب قاضی مقدمہ کی سماعت، مقدمہ کی تحقیق، اور مقدمہ کا فیصلہ کر سکتا ہے؟**

صدر الشریعہ مولانا مفتی امجد علی اعظمی فرماتے ہیں :

"قاضی نے کسی کو اپنا نائب بنایا کہ وہ دعویٰ کی سماعت کرے اور گواہوں کے بیانات لیں مگر معاملہ کو فیصل نہ کرے تو یہ نائب اتنا ہی کر سکتا ہے جتنا قاضی نے اسے اختیار دیا ہے یعنی معاملہ کا فیصلہ نہیں کر سکتا۔ اور جو کچھ اس نے تحقیقات کر کے قاضی کے روبرو پیش کر دیا قاضی اس بیانات یا مدعی علیہ کے اقرار پر فیصلہ نہیں کر سکتا ہے وہ قاضی کے سامنے نہ گواہوں نے گواہی دی ہے نہ مدعی علیہ نے اقرار کیا ہے بلکہ اس صورت میں قاضی از سر نو بیان لے گا اس کے بعد فیصلہ کرے گا۔"

(بہار شریعت جلد ۴ حصہ ۱۲)

لہٰذا اصل قاضی کے ہوتے ہوئے نائب قاضی مقدمات کی سماعت اور تحقیق کر سکتا ہے۔

**قاضی کے دائرہ قضا کی حد کیا ہے؟** اور کیا اسکا دائرۂ ولایت پورے حدود قضا تک ہے یا کم و بیش؟

قاضی کے لیے کوئی حد متعین نہیں لیکن انتخاب کے وقت زمانہ و علاقہ کی تعیین و تخصیص کر دی گئی ہو تو وقت اور حدود سے باہر قضا نافذ نہیں ہوگا جب کہ بالعموم علاقہ کی تعیین و تخصیص نہیں ہوتی ہے جیسا کہ فی زمانا یہی معمول ہے۔ لہٰذا جس کو جتنے حدود کے لیے قاضی بنایا گیا ہے وہ اتنے حدود کے لیے قاضی ہوں گے اگر ایک ضلع کے لیے قاضی بنایا گیا ہے تو وہ ایک ہی ضلع کے لیے قاضی ہوں گے اس کے باہر کے مقدمات کا فیصلہ بھی نہیں کر سکتا ہے۔

فتاوی عالم گیری میں ہے:

"اذا قلد السلطان رجلا قضاء بلدة كذا لا يصير قا ضيا فى سواد تلك البلد ة ما لم يقلد قضا البلد ونواحيها وهذا الجواب انما يستقيم على رواية النوادر لان على رواية النوادر المصر ليس بشرط لنفاذ القضا اما على ظاهر الرواية فاالمصر شرط لنفاذ القضا لايصير مقلدا على القرى وان كتب فى منشوره ذالك اذا علق السلطان الامارة والقضا بالشرط اورضا فهما الى وقت فى المستقبل بان قال اذا قدمت بلدة كذا فانت قاضيها اذا اتيت مكة فانت امام المكة او قال جعلتك قاضيا رأ س الشهر جعلتك اميررأ س الشهر فذلك جائز كذافى الملتقط ."( فتاوی عالم گیری جلد ۳ ص ۳۱۵)

**جو علاقہ کسی مقرر قاضی کے حدود قضا سے**

**باھر ہو وھاں کے مسلمانوں کے مقدمات کی سماعت اور فیصلہ کی صورت:**

اوپر معلوم ہوا کہ ایسا قاضی جو کسی صوبہ یا علاقہ یا ضلع کے ساتھ مخصوص ہو وہ دوسری جگہ کے مقدمات کی سماعت و فیصلہ نہیں کر سکتا ہے اور اگر قاضی کسی خاص ضلع، صوبہ، علاقہ کے ساتھ مخصوص نہ ہو تو وہ دوسری جگہ کے مقدمات کی سماعت اور فیصلہ کر سلتا ہے

فتاویٰ رضویہ میں :

"عورت کسی اسلامی ریاست کے شہر میں جائے جس طرح یہاں ریاست رام پور وغیرہ اور وہاں قاضی شرع کے حضور (جس کی قضا کو نواب والی ملک مسلمان نے نہ اس شہر والوں سے خاص کر دیا ہو نہ سیدنا امام اعظم ابو حنیفہ کے مذہب پر حکم کے لیے مقید کیا گیا ہو) استغاثہ کرے وہ بلحاظ قواعد شرعیہ تفریق کر سکتا ہے۔ اور اگر شوہر بھی وہاں جانے پر راضی ہو یا قاضی کی طلبی پر ایسے جانا ضروری ہو جب تو امر آسان ہے اب اس قاضی میں صرف اتنی شرط ہوگی کہ والی نے صرف اہل شہر کے ساتھ اسکی قضا کو خاص نہ کر دیا ہو جیسا کہ اکثر یہی ہے کہ تخصیص نہیں کرتے، وذٰلک لما عرف ان القضا یتخصص بکل ما خصص بہ المقلد کما فی الاشباہ والدر وغیرھما واذا لم یخصص باھل البلد لم یشترط ان یکون المتداعیان من اھل البلد کما فی ردالمختار وغیر ھما۔" (فتاویٰ رضویہ جلد ۵ ص ۳۶۰)

**مفقود الخبر، عدیمۃ النفقہ، قضاء علی الغائب جیسے مسائل میں مذھب امام اعظم سے عدول کر کے کسی دوسرے امام کے مسلک پر فیصلہ کا شرعی حکم**: ضرورت شرعی اور حاجت شدیدہ کے تحقق کے وقت اپنے مسلک کی رعایت کرتے ہوئے عدول کی اجازت ہے۔

فتاویٰ رضویہ میں ہے:

"قاضی جب نائب مقرر کرنے کا اختیار رکھتا ہو باختیار خود ورنہ بحکم والی مسلم مقدمہ شافعی المذہب کے سپرد کر کے ان کے یہاں جب شوہر نفقہ دینے سے عاجز ہو تفریق کر دینے سے وہ فریقین کو بلا کر بعد سماع مقدمہ وثبوت عجز تفریق کر دے یہ حکم جب قاضی حنفی کے حضور پیش ہو اسے نافذ کر دے کہ شوہر جب کہ حاضر ہو تو حاکم شافعی کا ایسا حکم ہمارے نزدیک لائق تنفیذ مانا جاتا ہے۔" (فتاویٰ رضویہ جلد ۵ ص ۹۰۸)

فتاویٰ مصطفویہ میں ہے:

"باضرورت ملجئہ مقبولۂ شرع اس مذہب سے عدول ناجائز و ناروا ہاں اگر واقعی ضرورت ہو ضرورت کا ادعا مکر و خداع اور نفس کے اتباع سے نہ ہو حاجت واقعیہ متحقق ہو تو جب کہ عند الضرورت تقلید امام مذہب آخر بشروط جائز کی اجازت ہو سکتی ہے۔" (فتاویٰ مصطفویہ ص ۳۴۶)

**قانون اسلام کے مطابق زوجین کے مابین تفریق کی صورتیں**؟ اسلامی قانون کے مطابق فرقت بین الزوجین کی تقریباً تئیس صورتیں ہمارے اسلاف نے بیان کی ہیں۔

"(۱) معدومۃ النفقہ (۲) مفقود الخبر (۳) خیار بلوغ (۴) عدم کفاءت (۵) نقصان مہر (۶) فساد نکاح (۷) حرمت مصاہرۃ من الزوج (۸) حرمت مصاہرۃ من الزوجہ (۹) ارتداد من الجانبین (۱۰) خیار عتق (۱۱) لعان (۱۲) ایلا (۱۳) جب (۱۴) اباً الزوج عن الاسلام (۱۵) اباً الزوجہ عن الاسلام (۱۶) عنیت (۱۷) خصاً (۱۸) خنوثت (۱۹) جنون (۲۰) جذام (۲۱) برص (۲۲) خلع (۲۳) طلاق

چودہ صورتیں وہ ہیں جن میں قضائے قاضی شرط ہے۔

(۱) معدومۃ النفقہ (۲) مفقود الخبر (۳) خیار بلوغ (۴) فساد نکاح (۵) لعان (۶) اباً الزوج (۷) عن الاسلام (۸) عنت (۹) خصا (۱۰) خنوثت (۱۱) جذام (۱۲) جنون (۱۳) برص (۱۴)

نو صورتیں وہ ہیں جن میں قضاء قاضی شرط نہیں۔

(۱) خیار عتق (۲) ایلا (۳) خلع (۴) ملک احد الزوجین (۵) ارتداد (۶) طلاق (۷) حرمت مصاہرت من الزوج اوالزوجہ (۸) ابا الزوجہ عن الاسلام (۹)

دس صورتیں فسخ کے حکم میں ہیں :

(۱) خیار بلوغ (۲) عدم کفاءت (۳) نقصان مہر (۴) حرمت مصاہرت من الزوج (۵) حرمت مصاحرت من الزوجہ (۶) ملک احد الزوجین (۷) ارتداد الزوج اوالزوج (۸) خیار عتق (۹) ارتداد الزوجہ عن الاسلام فساد نکاح (۱۰)

بارہ صورتیں طلاق کے حکم میں ہیں:

(۱)، لعان (۲) ایلا (۳) ارتداد الزوج عن الاسلام (۴) عنّیت (۵) خنوثت (۶) خصا (۷) جنون (۸) جذام (۹) برص (۱۰) معدمۃ النفقہ (۱۱) مفقو دالخبر (۱۲) جب خیال رہے۔ مفقو دالخبر کی صورت نہ طلاق کے حکم میں ہے نہ فسخ کے بلکہ یہ موت کے حکم میں ہے۔" (فتاویٰ افضل المدارس ص ۲۷۷، ۲۷۸) ☆☆☆☆☆☆

نقش حیات

# حافظِ ملت اور اصلاحِ فکر و عمل

عطاء النبی حسینی

اس میں کوئی شبہ نہیں کہ قوم کی فکر و عمل کی اصلاح کے لیے جذبہ صادق اور خلوصِ نیت ضروری امر ہے۔ سرزمین اتر پردیش میں ماضی قریب میں اس جذبہ صادق اور خلوص نیت سے پُر ایک سے ایک قد آور ، بالغ نظر، مصلحِ امت ، عالمِ شریعت اور واقفِ اسرارِ طریقت شخصیتوں نے قدم رنجہ فرمایا اور معاشرے کی برائیوں اور خرابیوں کی ریشم نما چادر کو تار تار کیا جن کی وجہ سے زندگی کا لمحہ لمحہ بے چین و بے قرار اور مضطرب تھا۔

استاذ العلما، جلالۃ العلم حافظ ملت ابوالفیض علامہ شاہ عبدالعزیز محدثِ مراد آبادی بانی جامعہ اشرفیہ مبارک پور بھی انھیں ہستیوں میں سے ایک ہیں جو قوم اور معاشرے کی اصلاح کے لیے مشکوٰۃ المصابیح بن کر تشریف لائے اور اپنے بصیرت افروز اور نصیحت آموز ارشادات و فرمودات اور جہدِ مسلسل اور سعیِ پیہم سے معاشرے میں عظیم انقلاب برپا کیا اور اصلاحِ فکر و عمل کے مہتم بالشان کارنامے انجام دیے۔ حافظِ ملت کے انھیں ارشادات و فرمودات اور جہدِ مسلسل اور سعیِ پیہم کی روشنی میں اصلاحِ فکر و عمل کے حوالے سے آپ کی خدمات کو سپردِ قرطاس کیا جا رہا ہے۔ لیکن اس سے قبل حافظِ ملت علیہ الرحمۃ کا مختصر تعارف پیش کیا جا رہا ہے کیوں کہ کسی بھی شخصیت کے کارناموں سے پہلے اس شخصیت کی معرفت ضروری ہے۔

**ولادت:** حضور حافظِ ملت علیہ الرحمۃ دو شنبہ کی صبح مراد آباد کے ایک قصبہ بھوج پور میں پیدا ہوئے۔ سالِ پیدائش کیا ہے اس سلسلے میں آپ کے سوانح نگاروں نے مختلف سالِ ولادت تحریر کیا ہے اس لیے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اس کے متعلق آپ ہی کا قول پیش کر دیا جائے۔ آپ فرماتے ہیں :

”مجھے اپنے والدین سے سالِ پیدائش نہیں ملا۔ البتہ والدہ ماجدہ سے یومِ پیدائش ملا۔ سالِ ولادت غالباً ۱۸۹۴ء ہے، وہ اس لیے کہ موضع راج پور میرا ننہال ہے، والد صاحب جب حج بیت اللہ کو گئے تو میں اپنی والدہ کے ساتھ راج پور رہتا تھا۔ اسی وقت نور احمد بن غلام احمد کی پیدائش ہوئی، ان کے والد ماجد نے ان کا سالِ ولادت ۱۹۰۴ء مطابق ۱۳۲۲ھ لکھا جو اب تک موجود ہے، اس وقت میری عمر دس سال ضرور تھی کیوں کہ میں راج پور سے اپنے مکان بھوج پور پیدل آتا جاتا تھا جس کی مسافت آٹھ میل سے زائد ہے اس لیے میرا سالِ پیدائش ۱۸۹۴ء (مطابق ۱۳۱۲ھ) ہوا“۔[۱]

اس طرح آپ کی ولادت بروز دوشنبہ صبح کے وقت ۱۸۹۴ء مطابق ۱۳۲۱ھ کو مراد آباد کے قصبہ بھوج پور میں ہوئی۔

**تعلیم:** حافظِ ملت علیہ الرحمہ کی تعلیم و تربیت پاکیزہ مذہبی ماحول میں ہوئی۔ آپ نے ناظرہ اور حفظِ قرآن مجید کی تکمیل اپنے والد ماجد سے کی ، اردو درجہ چہارم تک بھوج پور کے ایک اسکول میں پڑھے اور فارسی کی کتابیں مولوی عبدالمجید بھوج پوری اور پیپل سانہ میں مولوی حکیم مبارک اللہ اور حافظ حکیم نور بخش سے پڑھی۔ لیکن اس کے بعد تعلیمی سلسلہ منقطع ہو گیا اور آپ بھوج پور کی ایک بڑی مسجد کی امامت اور مدرسہ حفظ القرآن میں تدریسی خدمت سے منسلک ہو گئے اور پانچ سال تک امامت اور مدرسی کے فرائض انجام دیتے رہے ، لیکن آپ خدمتِ دین کے جذبہ سے سرشار تھے ایک روز اپنی والدہ سے عرض گزار ہوئے: ”اماں! آپ کہا کرتی تھیں کہ تیرے دادا نے کہا ہے کہ تو عالمِ دین بنے گا، لیکن میں تو نہیں بنا۔“[۲] اس جملے کو سن کر آپ کی والدہ کا کلیجہ تڑپ اٹھا، آنکھیں پرنم ہو گئیں اور بارگاہِ رب العزت میں دعا گو ہوئی جو بابِ اجابت سے ٹکرائی، پھر کیا تھا تقدیر نے کروٹ لی، خوابیدہ نصیبہ بیدار ہوا اور عجیب و غریب طریقہ سے تعلیمی سلسلہ دوبارہ یوں شروع ہوا کہ مولانا عبدالحق علیہ الرحمۃ کے تلمیذِ

رشید حکیم محمد شریف حیدرآبادی نے حصولِ علم کے لیے پیش کش کی، آپ نے اپنی والدہ سے اجازت لی اور حکیم صاحب کے پاس مرادآباد تشریف لے گئے اور تعلیم کا آغاز فرمایا، پندرہ دنوں میں میزان ومنشعب اور دو ماہ میں نحو میر اور صرف میر ختم کرلی، اب حکیم صاحب نے پڑھانے سے معذرت کرلی، لیکن آپ کے متعلق یہ مشہور ہو گیا تھا کہ آپ پڑھتے ہیں اس لیے آپ واپس نہ جا کر ''جامعہ نعیمیہ مرادآباد'' تشریف لے گئے اور تین سال وہاں رہ کر شرح جامی سے قطبی تک کی تعلیم حاصل کی، پھر شوال ۱۳۴۲ھ کو بارگاہِ صدر الشریعہ بدر الطریقہ علامہ محمد امجد علی علیہ الرحمۃ میں حاضر ہوئے اور یہاں تعلیم مکمل کی لیکن کچھ ناموافق حالات کے پیشِ نظر جب صدر الشریعہ بریلی شریف تشریف لائے تو آپ بھی بریلی شریف آگئے جہاں ۱۳۵۱ھ میں منظرِ اسلام بریلی شریف سے سندِ فراغت حاصل کی۔

**بیعت وخلافت:** حضور حافظِ ملت علیہ الرحمۃ اشرفیت و رضویت کا حسین سنگم تھے، حضرت شیخ المشائخ سید علی حسین اشرفی میاں علیہ الرحمۃ کے دستِ اقدس پر آپ بیعت سے سرفراز ہوئے اور اپنے پیر و مرشد کے دستِ مبارک سے خلافت سے نوازے گئے، علاوہ ازیں حضور صدر الشریعہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے ذریعہ قادری، رضوی نسبت اور خلافت سے شرف یاب ہوئے۔ آپ خود اپنی بیعت و خلافت کے بارے میں ارشاد فرماتے ہیں:

''زمانہ طالب علمی میں حضرت شیخ المشائخ مولانا سید علی حسین صاحب قبلہ علیہ الرحمۃ (کچھوچھوی) اجمیر شریف تشریف لائے، اس وقت حضرت کی غلامی میں داخل ہوا، حضرت ممدوح مبارک پور تشریف لائے میں حاضرِ خدمت ہوا، مجھے خلافت عطا فرمائی، میں نے عرض کیا، حضور میں اس قابل نہیں ہوں، فرمایا ''دادِ حق را قابلیت شرط نیست۔''

حضرت بڑے کریم النفس تھے بڑی شفقت فرماتے تھے۔ حضرت صدر الشریعہ قبلہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے بھی قادری، رضوی نسبت حاصل ہوئی، حضرت صدر الشریعہ نے مجھے اور مولانا سردار احمد صاحب (علیہ الرحمۃ) کو بریلی میں خلافت عطا فرمائی''۔ (۳)

**تدریسی خدمات:** حافظِ ملت علیہ الرحمۃ نے تدریسی خدمات کے لیے اپنے استاذ حضور صدر الشریعہ علیہ الرحمۃ کے ایما پر ۲۹/ شوال ۱۳۵۲ھ مطابق ۱۴/ جنوری ۱۹۳۴ء کو اشرفیہ مبارک پور کے لیے رختِ سفر باندھا اور ماہ ذو القعدہ ۱۳۵۲ھ سے تدریس شروع فرمائی۔ آپ مبارک پور تشریف آوری کی اپنی روداد یوں بیان فرماتے ہیں:

''شوال ۱۳۵۲ھ میں حضرت صدر الشریعہ علیہ الرحمۃ نے خط بھیج کر مجھے وطن سے بریلی بلایا۔ خط میں کوئی تفصیل نہیں تھی، وہاں پہنچا تو فرمانے لگے، میرا ضلع بالکل خراب ہو گیا، دیوبندیت بڑھ رہی ہے اس لیے میں آپ کو دین کی خدمت کے لیے بھیج رہا ہوں۔ میں نے عرض کیا حضور! میں ملازمت نہیں کرنا چاہتا، فرمایا: ''میں نے ملازمت کے لیے کب کہا، میں تو خدمتِ دین کے لیے کہہ رہا ہوں، آپ ملازمت سمجھ کر جائیے بھی نہیں'' میں چپ ہو گیا تو فرمانے لگے: ''میں آپ کو دین کی خدمت کے لیے مبارک پور بھیجتا ہوں، جائیے''۔ میں چلا آیا''۔ (۴)

لیکن حالت کی ناسازی نے آپ کو مبارک پور چھوڑنے پر مجبور کر دیا، اس لیے آپ اپنے استاذ محترم حضور صدر الشریعہ علیہ الرحمۃ سے اجازت حاصل کر کے شوال ۱۳۶۱ھ میں ''جامعہ عربیہ ناگ پور'' بحیثیتِ صدر مدرس تشریف لے گئے اور ایک سال تک تدریسی فریضہ انجام دیتے رہے۔ ادھر ذمہ داران دار العلوم اشرفیہ کو جب حافظِ ملت کی عدمِ موجودگی میں تعلیمی انحطاط کا احساس ہوا اور اہلِ مبارک پور کو بھی آپ کی کمی شدت سے محسوس ہوئی تو ذمہ داران اور اہلِ مبارک پور نے حضور صدر الشریعہ اور حضور محدث اعظم ہند علیہما الرحمہ کے ذریعہ اصرار کیا کہ آپ دوبارہ مبارک پور میں تدریس کا فریضہ انجام دیں۔ چناں چہ آپ دونوں بزرگوں کے حکم پر ناگ پور سے استعفیٰ دے کر ۱۳۶۲ھ میں مبارک پور تشریف لائے اس کے بعد اشرفیہ اور اہلِ مبارک پور کے ہو کر رہ گئے اور یکم جمادی الآخرہ ۱۳۹۶ھ مطابق ۳۱/ مئی ۱۹۷۶ء بروز دوشنبہ اپنی جان، جانِ آفریں کے سپرد کر دیا۔

حضور حافظِ ملت علیہ الرحمۃ کے مختصر تعارف کے بعد ذیل میں آپ کے اصلاحی کارناموں کو نذرِ قارئین کیا جا رہا ہے۔

**غیبت، حسد اور چغلی:** غیبت، حسد اور چغلی ایسی مذموم اور بری عادت اور مہلک بیماری ہے جو قوم کو تباہ و برباد کرنے میں اہم رول ادا کرتی ہے کیوں کہ یہ عادتیں قوم میں افتراق و انتشار کا باعث ہوتی ہیں۔ اس کا احساس حضور حافظِ ملت کو بھی تھا اس لیے آپ اس کی مذمت کرتے اور قوم کو اس سے اجتناب پر زور دیتے ہوئے فرماتے ہیں:

''اس زمانے میں چغلی، غیبت مسلمانوں میں عام ہو گئی ہے، یہ مرض اس درجہ ترقی کر گیا ہے گویا وبائی صورت اختیار کر گیا ہے۔ عام طور پر مسلمان اس مرض میں مبتلا ہیں۔ وہ لوگ کان کھول کر چغلی کی برائی سنیں اور اس کے عذاب سے ڈریں کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے عذابِ قبر کا سبب

چغلی بتایا ہے (علاوہ ازیں) یہ بھی فرمایا " وما یعذبان فی کبیر" کسی بڑی چیز میں عذاب نہیں دیے جا رہے ہیں، یعنی چغلی کوئی ایسی چیز نہیں ہے جس سے آدمی نہ بچ سکے اور اس بری لت کو نہ چھوڑ سکے۔ چغلی ہے تو بہت معمولی سی چیز مگر اس کے اثرات ہی زہریلے اور تباہ کن ہیں۔ چغل خوری دنیا میں بے عزت کرتی ہے، بے اعتبار بناتی ہے، اس سے اپنے غیر ہو جاتے ہیں، چغلی عذاب قبر کا سبب ہے، عذاب آخرت کا موجب ہے، اسی لیے شریعت مطہرہ نے اسے حرام کیا"۔(۵)

دوسری جگہ ان کے نقصانات و مہلکات کو کتنے موثر انداز میں بیان فرمایا، ملاحظہ فرمائیں:

"حسد، غیبت اور چغلی یہ وہ امراض ہیں جن کے مریض ہمیشہ حیران و پریشان اور سرگرداں رہتے ہیں اور ذلیل و خوار ہوا کرتے ہیں اللہ کے حبیب محمد رسول اللہ ﷺ نے مسلمانوں کو تعلیم دی ہے کہ وہ ان برائیوں سے دور رہیں اور ان بری عادتوں سے بچیں اور آپس میں متحد و متفق رہ کر اخوت اسلامی کے تحت زندگی گزاریں"۔(۶)

**زبان اور شرم گاہ پر قابو:** زبان اور شرم گاہ ایسی چیزیں ہیں جو انسان کو دنیا میں ذلیل و خوار اور بے عزت و بے وقعت تو کرتی ہی ہے آخرت میں بھی انسان کو ذلت و رسوائی کے عمیق گہرائی میں ڈال دیتی ہیں اور دوزخ کا مستحق بنا دیتی ہیں اور عصر حاضر میں اس جانب کس قدر بے توجہی برتی جا رہی ہے کسی پر مخفی نہیں۔ اس لیے حافظ ملت علیہ الرحمہ نے لوگوں کی توجہ اس جانب مبذول کرائی اور ان پر قابو رکھنے کی تلقین فرمائی چناں چہ ایک حدیث پاک کی تشریح میں زبان و شرم گاہ کی بے احتیاطیوں کے تباہ کن اور جہنم رساں ہونے پر روشنی ڈالتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں:

"سرکار دوعالم ﷺ نے انسان کو زیادہ تر دوزخ میں لے جانے والی دو چیزیں بیان فرمائیں "انسان کا منھ اور شرم گاہ" یہ اس لیے کہ دونوں سے معصیت زیادہ ہوتی ہے۔ جھوٹ بولنا، غیبت کرنا، چغلی کرنا، گالی بکنا، حرام کھانا یہ تمام معصیتیں منھ سے ہوتی ہے۔ شرم گاہ کی شہوت تمام شہوتوں پر غالب ہے۔ بسا اوقات عقل کو زائل کر دیتی ہے۔ اگر انسان اپنی زبان اور شرم گاہ پر قابو پا جائے تو پھر ان شاء اللہ وہ برائی سے بچ سکتا ہے اور تمام خطروں سے محفوظ رہ سکتا ہے"۔(۷)

پھر مصلحانہ انداز میں مسلمانوں سے مخاطب ہو کر ان دونوں چیزوں پر قابو رکھنے پر زور دیتے ہوئے رقم طراز ہیں:

"مسلمانو! زبان اور شرم گاہ کی معصیت زیادہ تر دوزخ میں لے جانے والی ہے۔ لہٰذا اپنی زبان کو قابو میں رکھو، صداقت و سچائی کا عادی بن جاؤ، جھوٹ بولنے، غیبت کرنے، گالی دینے، بیہودہ بکنے سے باز آؤ، شرم گاہ کو حرام سے بچاؤ۔ یاد رکھو! زبان اور شرم گاہ دونوں کی حفاظت پر اللہ کے حبیب محمد رسول اللہ ﷺ نے جنت کا وعدہ فرمایا ہے"۔(۸)

**پڑوسیوں کے ساتھ حسن سلوک:** مذہب اسلام میں پڑوسیوں کو کیا مقام حاصل ہے اس کا اندازہ اس سے بخوبی لگایا جا سکتا ہے کہ حدیث شریف میں آیا ہے:" مازال جبریل یوصینی بالجار حتی ظننتُ انه سیورثه"۔(۹)

یعنی حضرت جبریل (علیہ السلام) ہمیشہ مجھے ہم سائے کے متعلق حکم پہنچاتے رہے یہاں تک کہ میں نے خیال کیا کہ عن قریب وہ وارث بنا دیا جائے گا۔ اس لیے دین اسلام اس کی تاکید کرتا ہے کہ ایک پڑوسی اپنے پڑوسی کو نظر انداز نہ کرے بلکہ اس کا خیال رکھے، اسکی مدد کرے اور حسن اخلاق سے پیش آئے۔ حضور حافظ ملت بھی لوگوں کو اپنے پڑوسیوں کے ساتھ حسن سلوک اور حسن اخلاق سے پیش آنے کی بایں انداز ترغیب دیتے ہیں:

"مقتضائے ایمان یہی ہے کہ مومن کا کردار اور اس کا اخلاق اس بلندی پر ہو کہ سب کے ساتھ نیکی اور بھلائی کا برتاؤ کرے۔ یوں تو دنیا کے تمام مسلمان اس میں شریک ہیں، سبھی کے ساتھ نیکی اور بھلائی کا برتاؤ کرنا ہے، سبھی کے ساتھ نیک کردار سے پیش آنا ہے مگر پڑوسی جو کہ اس کے قریب ہے، نزدیک ہے، دن رات اس کے ساتھ رہتا ہے، اس لیے نسبتاً اس کا حق زیادہ ہے۔ نبی کریم ﷺ نے پڑوسی کا خاص طور پر حق مقرر فرمایا ہے"۔(۱۰)

ایک جگہ مسلمانوں کو اس خواب غفلت سے بیدار کرنے کے لیے انھیں جھنجھوڑتے ہوئے یوں فرماتے ہیں:

"مسلمانو! اپنی صلاح و فلاح کے لیے اپنے نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی تعلیم پر عمل کرو اور اس کے اصول کے پابند ہو جاؤ، اپنے پڑوسیوں کے ساتھ نیک سلوک کرو، ان کی خبر گیری کرو، ان کی امداد و اعانت کرو، مولائے کریم تمھاری مدد کرے گا"۔(۱۱)

**انسانی ہمدردی:** انسان وہی ہے جو دوسروں کے کام آئے، مصیبت میں سہارا ہو اور جس کے دل میں دوسروں کی ہمدردی اور غم خواری ہو۔ مذہب اسلام بھی امیر غریب اور مالدار و نادار کے درمیان

امتیاز کے بغیر سب کے ساتھ یکساں ہمدردی کا درس دیتا ہے۔ حافظ ملت علیہ الرحمہ معاشرے کو اس پر عمل پیرا دیکھنا چاہتے تھے۔ چناں چہ اس عمل پر برانگیختہ کرتے ہوئے آپ فرماتے ہیں:

" انسان کو انس لازم ہے ،وہ کیا انسان ہے جس کے دل میں دوسروں کی ہمدردی نہ ہو صرف اپنی ضرورتیں پوری کر لینا انسانیت نہیں ، انسان وہی ہے جس کے دل میں دوسروں کی ہمدردی اور غم خواری ہو، اسی لیے اسلام کا زریں اصول مسلمانوں کے درمیان اتحاد واتفاق ہے، آپس میں ایک دوسرے کی غم خواری وہمدردی ہے، امیر کو غریب کی، مالدار کو نادار کی امداد واعانت نہایت ہی مستحکم اور بڑا ہی زریں اصول ہے۔ جب کبھی غربا ومساکین کو حاجت پیش آئے تو فوراً مسلمان ان کو سہارا دیں اور اپنی طاقت بھر ان کو قوت پہنچا کر ان کی ضرورت کو پورا کریں"۔ (۴)

حافظ ملت علیہ الرحمہ صرف اپنے قول ہی سے فکر وعمل کی اصلاح نہیں فرماتے بلکہ اپنے عمل سے بھی اصلاح فرماتے۔ چناں چہ مذکورہ فرمودات حافظ ملت ذہن میں رکھ کر آپ کی ذات سے ہمدردی کا یہ اعلیٰ نمونہ ملاحظہ فرمائیں۔ مولانا بدر القادری مصباحی لکھتے ہیں:

"حافظ ملت اپنے فرمودات پر اس سختی سے عامل تھے کہ دسترخوان پر بیٹھے کھانا تناول فرما رہے ہوتے ہیں۔ سامنے صرف ایک روٹی ہوتی ہے سائل دروازہ سے صدا لگاتا ہے فوراً نصف روٹی موجود طالب علم کے ذریعہ سائل کو بھیج دیتے اور نصف کھا کر صبر کرتے"۔ (۳)

**نماز کی پابندی:** نماز افضل العبادات اور اہم الفرائض ہے۔ جہاں اس کی ادائیگی اور پابندی پر انعام واکرام اور رحم وکرم کی بشارتیں دی گئی ہیں وہیں اس سے غفلت وسستی پر وعید شدید بھی آئی ہے۔ اس کے باوجود امت مسلمہ انعام واکرام اور رحم وکرم کا حق دار بننے کے لیے نہ اس کی پابندی کی کوشش کرتی ہے اور نہ وعید شدید سے اجتناب کی سعی کرتی ہے۔ خصوصاً قیلولہ اور لیلولہ کے بعد نیند سے بیدار نہ ہونے کا عذر پیش کرتی ہے۔ ایسوں کے عذر لنگ کا دفعیہ کرتے ہوئے حافظ ملت علیہ الرحمہ فرماتے ہیں:

"ایک ایسا انسان جو کئی راتوں سے بیداری کا شکار ہو، تھکا ہارا ہو اس کے لیے کسی صاف ستھرے کمرے میں بستر لگا دو اور آسائش کے سامان مہیا کر دو اور اس سے کہ دو کہ سو جاؤ مگر ساتھ ہی ساتھ یہ بھی بتاؤ کہ اس کمرے میں ایک زہریلا سانپ رہتا ہے تو کیا اس تھکے ماندے شخص کو نیند آئے گی؟ نہیں، کیوں کہ اس کے دل میں سانپ کا ڈر سما گیا ہے، سانپ کا خوف پیدا ہو گیا ہے تو اب اس کی نیند غائب ہو گئی۔

عزیزو! جب سانپ کے خوف سے نیند اڑ سکتی ہے تو خوف خدا جس کے دل میں ہو نماز کے وقت کیا سوتا رہے گا"۔ (۱۴)

**اتحاد زندگی ہے:** اس حقیقت کے انکار کی کوئی راہ نہیں کہ جس قوم میں اتحاد واتفاق رہا وہ قوم ہر مقابلہ، ہر محاذ اور ہر معرکہ سر کرنے کی قوت رکھتی ہے لیکن اگر اختلاف وانتشار کا شکار ہو تو نتیجہ برعکس ہوتا ہے۔ اس حقیقت کے باوجود آج اہل سنت وجماعت میں کس قدر اختلاف ہے کسی پر مخفی نہیں۔ حافظ ملت علیہ الرحمہ قوم کو آپسی اتحاد واتفاق قائم رکھنے اور اختلاف وانتشار سے احتراز کرنے کا درس دیتے ہوئے اتحاد کے حسن وخوبی اور اختلاف کے نقص وعیب کو کتنے مختصر اور جامع طرز میں بیان فرماتے ہیں:

"اتحاد زندگی ہے اور اختلاف موت ہے"۔ (۵)

**بد مذہبوں سے دوری:** سچا مسلمان وہی ہے جس کے عقائد واعمال اہل سنت وجماعت کے مطابق ہو ورنہ وہ مسلمان نہیں حضور حافظ ملت قوم مسلم کے ہر فرد کو سچا پکا مسلمان دیکھنا چاہتے تھے اس لیے آپ نے جہاں قوم مسلم کے اعمال کی اصلاح فرمائی وہیں ان کے عقائد ونظریات کی بھی اصلاح فرمائی اور بد مذہبوں اور بد عقیدوں سے دور رہنے کی تاکید فرمائی۔ آپ فرماتے ہیں:

"نبی کریم ﷺ کی محبت کا دعویٰ کرنے والوں کا یہ امتحان ہے کہ جن لوگوں نے نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کی شان اقدس میں گستاخیاں اور بے ادبیاں کی ہیں ان سے اپنا تعلق قطع کریں، ایسے لوگوں سے نفرت اور بیزاری ظاہر کریں"۔ (۱۶)

مسلمانوں کے فلاح وکامرانی کا مدار اس پر ہے کہ وہ اپنے نبی کریم ﷺ کی پیروی کرے اور ان کے حکم کی بجا آوری میں لگا رہے، لیکن آج مسلمانوں کا کیا حال ہے؟ بتانے کی ضرورت نہیں۔ حالاں کہ انھیں کیا کرنا چاہیے۔ اس کے بارے میں حافظ ملت علیہ الرحمہ فرماتے ہیں:

"مسلمانو! تمھاری ہوا کا رخ وہی گنبد خضرا ہے، تمھارا مقصود وہی تاج دار مدینہ ﷺ ہیں، تمھاری مشکلات کا حل انھیں کی نظر کرم اور اشارۂ ابرو پر موقوف ہے، تمھارے مقاصد کا حصول انھیں کی تعلیم پر عمل ہے جس کو مسلمان اپنی بد نصیبی سے فراموش کر چکے ہیں"۔ (۱۷)

**تعلیمی اصلاح:** آج سے چند دہائیاں پیشتر تعلیمی حوالے سے مسلمانوں کا کیا حال تھا، تعلیمی میدان میں مسلمان کس قدر پچھڑے

ہوئے تھے اور تعلیم سے ان کا رشتہ کتنا کمزور تھا یہ ہمہ وشما پر مخفی نہیں۔ اس پسماندگی نے حافظِ ملت کو تڑپا کر رکھ دیا کیوں کہ آپ کو اس کا علم تھا کہ جس قوم نے تعلیم سے رشتہ توڑ دیا یا جس کا رشتہ کمزور ہو گیا اس کے پاس ذلیل وخوار ہونے کے اور کوئی چارہ نہیں۔ ایسے ماحول میں حافظِ ملت نے دستگیری کی، ان کی فکروں کی اصلاح کی، انھیں خواب غفلت سے بیدار کیا اور انھیں اپنی پستی کا احساس دلاتے ہوئے شاہ راہِ عمل پہ لا کھڑا کیا۔ الجامعۃ الاشرفیہ، افکارِ مسلمین کی اصلاح اور انھیں پستی سے بامِ عروج تک پہنچانے کے لیے حافظِ ملت کے دستِ اقدس سے معرضِ وجود میں آیا اور اس وقت سے آج تک یہ نونہالانِ قوم کی اصلاح وتربیت، امتِ مسلمہ کی رہنمائی وسربراہی، مسلکِ اہلِ سنت وجماعت کی ترجمانی اور مسلکِ اعلیٰ حضرت کی حفاظت وصیانت کر رہا ہے اور ان شاء اللہ عز وجل آئندہ بھی یہ اپنا فریضہ اسی طرح انجام دیتا رہے گا۔ یہی اس کے قیام کے اغراض ومقاصد ہیں۔ جیسا کہ حافظِ ملت علیہ الرحمۃ خود قیامِ اشرفیہ کے اغراض ومقاصد کا اظہار یوں فرماتے ہیں:

”میں چاہتا ہوں کہ الجامعۃ الاشرفیہ کے فارغین سنی علما ہوں اور وہ ہندی، انگریزی اور عربی میں صاحبِ قلم اور صاحبِ لسان ہوں جو ہندوستان اور دوسرے ممالک میں مذہبِ حق اہلِ سنت وجماعت کی کما حقہ اشاعت وخدمت کرسکیں“۔ (۱۸)

**سیاسی اصلاح:** حافظِ ملت علیہ الرحمۃ ان شخصیات سے نہ تھے جو جذبات کی رو میں بہ جاتے ہیں بلکہ آپ دور اندیشی اور گہری فکر کے بعد فیصلہ فرماتے اور قوم کو اس پر چلاتے ساتھ ہی خود بھی اس پر عمل پیرا ہوتے۔ آپ موجودہ سیاست سے دور تھے مگر گہری سیاسی بصیرت کے حامل تھے، اسی لیے آپ جو فیصلہ فرماتے اس پر مضبوطی سے قائم رہتے۔ چناں چہ جب وجودِ پاکستان کے وقت مسلمانوں پر پُر آشوب اور صبر آزما زمانہ گزرا تو مسلمان تردد وتفکر کا شکار ہو گئے کہ وہ کیا کریں اور کیا نہ کریں اس موقع پر حافظِ ملت نے اپنی سیاسی بصیرت کا ثبوت دیا اور سیاسی نہج سے قوم اور معاشرے کی اصلاح فرمائی۔ ”الارشاد“ نامی کتاب آپ کی سیاسی بصیرت ہی کا نتیجہ ہے۔ اس کے علاوہ جا بجا تقریروں کے ذریعہ مسلمانوں کو ہجرتِ پاکستان سے روکا۔

مولانا بدر القادری مصباحی نے اہلِ مبارک پور کے سامنے حافظِ ملت کی تقریر کا نقشہ یوں کھینچا ہے:

”آپ نے محلہ پورہ صوفی میں شیخ محی الدین کے دروازے پر مسلمانانِ مبارک پور کے سامنے ترکِ وطن کے خلاف زبردست تقریر فرمائی اور فرمایا کہ وطن کا سچا شیدائی وہ ہے جو اس کے ہر غلط اقدام کو اپنی غلطی سمجھ کر اس کی اصلاح کی کوشش کرے تاکہ غیر ممالک کی نگاہوں میں ملک ووطن کا وقار مجروح نہ ہو“۔ (۱۹)

حافظِ ملت علیہ الرحمۃ کی اس موقع شناسی اور سیاسی بصیرت نے نہ صرف اعظم گڑھ بلکہ یوپی اور اطراف میں انقلاب برپا کر دیا اور مسلمانانِ ہند کو بے گھر اور بے وطن ہونے سے بچا لیا۔

حضور حافظِ ملت علیہ الرحمۃ امتِ مسلمہ کے عظیم مصلح اور سچے ہمدرد اور مخلص قائد و رہنما تھے جیسا کہ درج بالا باتوں سے واضح ہے اس لیے ضرورت ہے کہ آپ کے نقشِ قدم پر چلا جائے اور آپ کے بتائے ہوئے رہنما اصول کو عملی جامہ پہنایا جائے۔ اسی میں ہماری دینی ودنیوی فلاح و کامرانی ہے اور یہی ان سے سچی محبت اور ان کی بارگاہ میں سچا خراجِ عقیدت ہے۔

## مآخذ و مراجع--


(۱) ماہ نامہ اشرفیہ کا حافظِ ملت نمبر، ص:۶۵
(۲) مختصر سوانح حافظِ ملت، ص:۲۳
(۳) مصدرِ سابق، ص:۲۲
(۴) حیاتِ حافظِ ملت، ص:۲۷
(۵) معارفِ حدیث، ص:۴۳
(۶) مصدرِ سابق، ص:۱۰۳
(۷) مصدرِ سابق، ص:۷۷
(۸) مصدرِ سابق، ص:۸۷
(۹) ریاض الصالحین، ص:۱۵۲
(۱۰) معارفِ حدیث، ص:۹۸
(۱۱) مصدرِ سابق، ص:۹۹
(۱۲) حیاتِ حافظِ ملت، ص:۵۰۱
(۱۳) مصدرِ سابق، ص:۵۰۱
(۱۴) مصدرِ سابق، ص:۵۰۷
(۱۵) مصدرِ سابق، ص:۵۰۲
(۱۶) عقائدِ علماے دیوبند، ص:۳۰
(۱۷) ارشاد القرآن، ص:۶
(۱۸) اشرفیہ کا حافظِ ملت نمبر، ص:۸۰
(۱۹) حیاتِ حافظِ ملت، ص:۵۳۳


==========================


## مراد آباد میں

## ماہ نامہ اشرفیہ حاصل کریں

حافظ افتخار حسین صاحب

سجادہ نشیں حضرت باقر علی شاہ پہلوان کی درگاہ

لاجپت نگر، مراد آباد (یوپی)

# ارشاداتِ حافظِ ملت کی عصری معنویت

مولانا محمد عرفان قادری

حافظ ملت علامہ شاہ عبد العزیز محدث مرادآبادی علیہ الرحمۃ والرضوان (متوفی یکم جمادی الآخر ۱۳۹۶ھ/ ۳۱ مئی ۱۹۷۶ء) کی شخصیت محتاج تعارف نہیں۔ وہ اپنی گراں قدر علمی و تصنیفی، دعوتی و اصلاحی خدمات کی بنیاد پر صرف برصغیر ہندو پاک ہی نہیں بلکہ پوری دنیا میں جانے جاتے ہیں۔ انھوں نے قصبہ مبارک پور ضلع اعظم گڑھ میں الجامعۃ الاشرفیہ (عربی یونیورسٹی) کو قائم فرما کر ملت اسلامیہ کی تعلیمی پسماندگی دور کرنے میں اہم کردار ادا کیا۔ آپ کے اس عظیم کارنامے پر پوری امت مسلمہ کو فخر ہے حیات حافظ ملت کا مطالعہ کرنے کے بعد سب سے اہم بات جو ابھر کر سامنے آتی ہے وہ یہ کہ حافظ ملت نے وسائل کی قلت کا رونا کبھی نہیں رویا بلکہ نامساعد حالات میں بھی تعلیم کی ڈگر پر آگے بڑھتے چلے گئے۔ ان کی زندگی کا ہر لمحہ خدمت دین اور عملی اسپرٹ سے عبارت ہے۔ حافظ ملت ایک مخلص داعی اور عظیم مصلح بھی تھے یہی وجہ ہے کہ آپ نے معاشرتی برائیوں کے خلاف تبلیغی جہاد کیا۔ اخلاق حسنہ کے ایسے پیکر تھے کہ آج اس کی مثال ملنا مشکل ہے۔ کردار سازی اور قوم مسلم کی سربلندی کے لیے حافظ ملت کا ایک ایک قول و عمل مشعل راہ اور شمع منزل کا درجہ رکھتا ہے۔ حافظ ملت کے اقوال و ارشادات کی آج بھی اتنی ہی اہمیت ہے جتنی ان کے عہد میں تھی بلکہ عصر حاضر میں اقوال حافظ ملت کی اہمیت و افادیت مزید بڑھ جاتی ہے۔ اتحاد سب سے بڑی طاقت کا نام ہے اور اسی کا نام زندگی ہے۔ حافظ ملت ہمیشہ اتحاد پر زور دیتے کیوں کہ وہ اس حقیقت سے بخوبی واقف تھے کہ ملت اسلامیہ کی صلاح و فلاح کا راز اتحاد میں مضمر ہے اتحاد کے تعلق سے ان کا یہ قول بہت مشہور ہے کہ "اتفاق زندگی ہے اور اختلاف موت"

دور حاضر میں اہل سنت و جماعت کے درمیان اتحاد کا فقدان ہے، کچھ ملت فروش اور سستی شہرت کے خواہاں اپنی ذاتی مفاد کی خاطر اختلاف کو ہوا دے رہے ہیں۔ ملکی اور عالمی سطح پر مسلمانوں کو زبردست خطرہ لاحق ہے، اسلامی شعائر کو مٹانے کی مذموم سعی کی جارہی ہے اور مسلم پرسنل لا پر آئے دن شب خون مارا جارہا ہے اس کے خلاف دو لفظ بولنے اور تحریک چلانے کی فرصت نہیں لیکن تعمیری کام کرنے والوں کے خلاف فتووں اور افواہوں کا بازار گرم ہے جس کے سبب جماعت نہ صرف یہ کہ مسلسل پستی و تنزلی کا شکار ہو رہی ہے بلکہ اس کا وجود دن بدن خطرے میں پڑتا جارہا ہے۔ اس لیے اہل سنت کے علما و قائدین کو چاہیے کہ وہ اپنے ذاتی و آپسی اختلاف سے بالاتر ہو کر جماعت کی شیرازہ بندی کے لیے سنجیدہ کوشش کریں۔ جب یہود و نصاریٰ صدیوں باہم دست و گریباں رہنے کے باوجود اسلام دشمنی میں متحد و متفق ہو سکتے ہیں، باطل جماعتیں بھی اہل سنت کے خلاف نہ صرف صف آرا ہیں بلکہ ہمارے آپسی اختلاف کا فائدہ اٹھا کر نجدی و وہابی فکر کی احیا و تجدید اور اس کی ترویج و اشاعت کے لیے منظم کوشش کر رہی ہیں جس کے لیے کبھی دہلی اور کبھی لکھنؤ میں امام حرم کو بلا کر عوام کو اپنا گرویدہ بنا رہی ہیں تو پھر ایک ہی عقیدہ و نظریہ اور ایک ہی مسلک کے پیروکار آپس میں متحد کیوں نہیں ہو سکتے۔ قابل غور بات یہ ہے کہ غیر اہل سنت سیاست ہو یا صحافت، وقف بورڈ ہو یا مسلم پرسنل لا بورڈ ہر میدان میں بازی مار چکے ہیں اور وہ اس کا بھرپور فائدہ اٹھاتے ہوئے کسی بھی قومی و ملی مسائل کے خلاف صدائے احتجاج بلند کرنے میں پیش پیش رہتے ہیں تاکہ لوگ سمجھیں کہ یہی مسلمانوں کے سچے ہمدرد اور بہی خواہ ہیں جب کہ سچائی کچھ اور ہے۔ لیکن مسلمانوں کے حقوق کی بازیافت کے لیے ہماری جماعت کے پاس کون سا ایسا عملی منصوبہ ہے کہ جس کی بنیاد پر ہم حکومت پر اثر انداز ہو سکیں؟ پوری جماعت کے لیے یہ ایک لمحۂ فکریہ ہے کہ ابھی تک اہل سنت کی کسی بھی تنظیم کو پوری جماعت کے علما و مشائخ کی تائید حاصل نہیں ہو سکی ہے کہ جس کے بینر تلے جمع ہو کر مسلمانان اہل سنت ایوان حکومت تک اپنی آواز پہنچا کر حکومت سے اپنے مطالبات تسلیم کرا سکیں۔ قائدین اہل سنت کو اس رخ پر سنجیدگی سے غور کرنے کی اشد ضرورت ہے۔ کیوں کہ اجتماعیت کے بغیر

جمہوری ملک میں انفرادی کوشش کوئی معنیٰ نہیں رکھتی۔ حافظ ملت رحمۃ اللہ علیہ قوم کے انتہائی ہمدرد و خیر خواہ تھے وہ ملت اسلامیہ کو ہر میدان میں سرخرو اور پیش رو دیکھنا چاہتے تھے اسی لیے وہ فرماتے تھے کہ کام کے آدمی بنو، کام ہی آدمی کو معزز بناتا ہے۔ ان کے نزدیک کام زندگی ہے اور بے کاری موت۔ وہ وقت کے صحیح استعمال پر بھی خصوصی توجہ دلاتے، اور اس کی اہمیت یوں واضح کرتے ”وقت بہت قیمتی چیز ہے اور وقت کو ضائع کرنا بہت بڑی بے وقوفی ہے“ آپ مخالفین کو خاموش کرنے کا احسن طریقہ کام ہی کو قرار دیتے ہیں ”میرے نزدیک ہر مخالفت کا جواب کام ہے“۔ اور آپ کا یہ فرمان مردہ جسم میں روح ڈالنے کے مترادف ہے کہ ” زمین کے اوپر کام اور زمین کے نیچے آرام“۔ مسلمانوں کی کامیابی اللہ و رسول کی اطاعت میں ہے، اللہ و رسول کی اطاعت کو قرآن مجید عظیم کامیابی قرار دیتا ہے۔ ”جس نے اللہ و رسول کی اطاعت کی اس نے بڑی کامیابی پائی“۔ (سورۂ احزاب، آیت ۷۱)

حافظ ملت بھی اسی قرآنی فکر کے داعی ہیں فرماتے ہیں ”خدا و رسول کی مرضی کے خلاف عمل کرنا مسلمان کے لیے کسی طرح جائز نہیں کیوں کہ مسلمان وہی ہے جو اللہ و رسول کا فرماں بردار ہے“۔ یہ مسلمانوں کی غلط روی ہے کہ وہ بد کرداری کی طرف آگے بڑھ رہے ہیں، ورنہ مسلمان اگر واقعی پختہ مسلمان اور شریعت پر عامل ہو تو اس کی فیروز مندی و سربلندی کا قرآن وعدہ فرما رہا ہے کہ ”تمہیں غالب آؤ گے اگر ایمان رکھتے ہو“۔ (سورۃ آل عمران)

علم بغیر عمل کے سود مند ثابت نہیں ہو سکتا اسی طرح یہ بھی ایک ناقابل تردید حقیقت ہے کہ جب استاذ با عمل ہو گا تو شاگرد کے اندر بھی عمل کا جذبہ پیدا ہو گا، اساتذہ طلبہ کے آئیڈیل ہوتے ہیں طلبہ آگے چل کر وہی کرتے ہیں جو اپنے اساتذہ سے سیکھتے ہیں۔ اس سلسلے میں حافظ ملت کا یہ قول بڑی اہمیت کا حامل ہے کہ ” آدمی کو ایسا استاذ اپنانا چاہیے جو علم و عمل کا پیکر ہو“۔ حافظ ملت خود اپنے بارے میں فرماتے ہیں: ”میں نے اپنے استاذ سے علم اور عمل دونوں حاصل کیا“۔ حافظ ملت نے صدر الشریعہ علامہ امجد علی قادری قدس سرہٗ مصنف بہار شریعت سے اکتساب علم کے ساتھ ساتھ عمل بھی سیکھا تھا اس لیے انہوں نے تعلیم و تربیت کے شعبہ میں بہترین نظم و ضبط پیدا کیا۔ حافظ ملت کا یہ بھی ماننا ہے کہ عمارت چاہے چھوٹی ہی کیوں نہ ہو لیکن تعلیم بہتر ہونی چاہیے۔ فرماتے ہیں: ”عمارتیں لمبی چوڑی ہوں اور تعلیم نہ ہو تو سب بیکار ہے“۔ آج ہمارے بیشتر مدارس میں صرف یہی نہیں کہ تعلیمی معیار میں کمی واقع ہوئی ہے بلکہ تربیت کی طرف عدم توجہی کے باعث طلبہ کے اخلاق و کردار میں دن بدن گراوٹ پیدا ہو رہی ہے اس لیے ذمہ داران مدارس کو چاہیے کہ وہ تعلیم کے ساتھ ساتھ تربیت پر بھی خصوصی توجہ دیں۔

کچھ لوگ اپنی خامیوں پر تو نظر نہیں رکھتے اور دوسروں کی غلطیوں پر خوب گرفت کرتے ہیں ایسے لوگوں کے لیے آپ کا یہ فرمان درس عبرت ہے ” دوسروں کی خوبیاں دیکھنی چاہیے اور اپنی خامیاں “ خود اپنے بارے میں فرماتے ہیں: ” میں لوگوں کی خوبیاں دیکھتا ہوں خامیاں نہیں دیکھتا“۔ آج اگر اصلاح معاشرہ کی ہماری جدوجہد نتیجہ خیز اور بار آور ثابت نہیں ہو رہی ہے تو اس کی واحد وجہ صرف یہ ہے کہ اصلاح کی کوشش ہمیشہ دوسروں کی ذات سے شروع کی جاتی ہے اور خود اپنی کمیوں کو دور کرنے کی کوشش نہیں کی جاتی ۔ تقویٰ اور اخلاص دو اہم چیزیں ہیں۔ بندۂ مومن کے اندر اگر یہ دونوں صفتیں پیدا ہو جائیں تو اس کی زندگی کی معراج ہے۔ حافظ ملت علیہ الرحمہ کے اندر مذکورہ دونوں خوبیاں بدرجۂ اتم موجود تھیں آپ اعلیٰ درجہ کے متقی و پرہیز گار بھی تھے اور انتہائی مخلص بھی۔ جس کا اندازہ اس بات سے بخوبی لگایا جا سکتا ہے کہ آپ نے درس و تدریس، دعوت و تبلیغ اور خدمت خلق کا فریضہ روپے کے لیے نہیں بلکہ قوم کی اصلاح اور فلاح و بہبود کے لیے انجام دیا۔ آپ ہمیشہ خود کو مدرسے کا خادم تصور کرتے اور اسی فکر کو اساتذہ و معلّمین کے ذہن و دماغ میں بھی رچانے بسانے کی ہر ممکن کوشش کرتے ”مدرسے کے مدرسین کو چاہیے کہ اپنے کو مدرسہ کا ملازم نہیں خادم سمجھیں“۔ جذبۂ ریاکاری کے تحت انجام دیا جانے والا کام خواہ وہ کتنا ہی اہم کیوں نہ ہو عذاب کا باعث اور اخروی ثواب کے لیے زہر قاتل ہے۔ حدیث شریف میں ریا کو شرک اصغر قرار دیا گیا ہے حافظ ملت کا بھی یہی خیال ہے کیوں کہ حافظ ملت کے افکار و خیالات کا پیمانہ قرآن و سنت ہے۔ چنانچہ نام و نمود، شہرت و جاہ طلبی سے بچنے کی تلقین کرتے ہوئے فرماتے ہیں: ”نام کے لیے کام نہیں کرنا چاہیے کام کرو گے تو نام خود ہی ہو جائے گا“۔ حافظ ملت نماز کے بھی انتہائی پابند تھے۔ باجماعت نماز کی اہمیت وہ اس انداز میں بیان فرماتے ہیں: ”حقیقت میں نماز تو جماعت ہی کی نماز ہے ورنہ صرف فرض کی ادائگی “۔ آج جب کہ نماز سے غفلت عام ہے، جدید انفارمیشن ٹکنالوجی کے اس دور میں انسانی سوچ و فکر میں بڑی تیزی کے ساتھ تبدیلی پیدا ہو رہی ہے اور نسل نو اخلاقی و سماجی بندھنوں کو توڑ کر مغربی تہذیب کا غلام بنتی جا رہی ہے اس لیے ضرورت ہے کہ حافظ ملت علیہ الرحمہ کے زریں اقوال اور آپ کی تعلیمات کا مطالعہ کیا جائے اور معاشرہ کی اصلاح اور ملت کی تعمیر و ترقی میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا جائے۔ ☆☆☆

# جامعہ اشرفیہ میں طلبۂ سابعہ کی
# دینی واشاعتی سرگرمیاں

محمد شاہد رضا، بلرام پور

الجامعۃ الاشرفیہ سنیوں کا وہ عظیم قلعہ ہے جس کو حضور حافظِ ملت علامہ شاہ عبدالعزیز محدث مرادآبادی نے اپنے خونِ جگر سے سینچا ہے اس کے وجود وارتقامیں علماومشائخ اور بزرگانِ دین کی دعائیں شاملِ حال ہیں۔ حضور مفتیِ اعظم ہند علیہ الرحمہ بھی ان میں سے ایک ہیں کہ آپ نے اس کا ہر مشکل سے مشکل کام میں ساتھ دیااور مدد بھی کی اور کرائی بھی۔

جب حضور حافظ ملت علیہ الرحمہ کے وصال کی خبر حضور مفتیِ اعظم تک پہنچی تو چاند سا چمکتا ہوانورانی چہرہ ماند پڑ گیااور بلک بلک کر روتے رہے۔ جب افاقہ ہوا تو اوصاف وکمال بتانے لگے اور جامعہ اشرفیہ کے لیے دعائیں کرتے رہے۔ پھر حضور حافظ ملت کے صاحب زادے حضور عزیز ملت پر خاص فضل فرماتے ہیں اور اجازت وخلافت سے نوازتے ہیں اور مزید یہ بھی فرماتے ہیں کہ مدرسے کا بار اور اس کی ذمہ داری تمھارے سر پر ہے۔

حضور مفتیِ اعظم ہند کے اشرفیہ سے بے لوث محبت کو برقرار رکھنے کے لیے چمنِ حافظِ ملت میں ایک عظیم الشان جشن منایا جاتا ہے جس کی ابتدا ۱۳/ محرم الحرام ۱۴۰۹ھ مطابق ۲۶/ اگست ۱۹۸۸ء کو جماعتِ سابعہ کے تحت ہوئی جو اب تک نہایت تزک واحتشام کے ساتھ جاری ہے۔

اس جشن مبارک میں حضور مفتیِ اعظم ہند کی بارگاہ میں خراجِ عقیدت پیش کرنے کے ساتھ ہی ساتھ حافظِ ملت علیہ الرحمہ اور الجامعۃ الاشرفیہ کے کارناموں کو اجاگر کرنا ہے۔ اب یہ سلسلہ کتابوں کی اشاعت تک بھی پہنچ گیا ہے، جس کی تفصیل آگے ہے۔

خصوصاً درجۂ سابعہ کے طلبہ کی طرف سے کئی امور انجام پاتے ہیں، مثلاً مدارسِ اہلِ سنت کے طلبہ کے اندر تحریری وتقریری لیاقت پیدا کرنے کے لیے انعامی مقابلہ، کسی دینی وعصری تعلیم یافتہ دانش ور سے کسی اہم موضوع پر توسیعی خطاب وغیرہ کا اہتمام ہوتا ہے، اِدھر چند سالوں سے نادرونایاب اور دینی ضرورت پوری کرنے والی کتابوں کو جدید طرزِ طباعت کے ساتھ منظرِ عام پر لانے کا سلسلہ شروع ہوا ہے۔

چند وہ کتابیں جو جماعتِ سابعہ اور دوسری جماعتوں کے طلبۂ اشرفیہ چھاپ کر منظرِ عام پر پیش کر چکے ہیں، وہ مندرجہ ذیل ہیں۔

(۱)-**انوارِ آفتابِ صداقت:** مصنف قاضی فضل احمد لدھیانوی علیہ الرحمہ۔ یہ کتاب غیر مقلدین اور دیابنہ کے فاسد عقائد کی تردید میں ہے۔ یہ تقریباً ایک صدی قبل شہر لدھیانہ کے بدمذہبوں کی فتنہ پروری وشر انگیزی سے تنگ آکر حضرت علامہ قاضی فضل احمد لدھیانوی علیہ الرحمہ نے ۱۳۳۷ھ میں تحریر فرمائی تھی۔ اور اس کا تاریخی نام انوارِ آفتابِ صداقت رکھا۔ اس میں مخالفین کے خود ساختہ نظریات کا بطلان واضح کیا ہے اور اس کی اہمیت اس بات سے بھی واضح ہوتی ہے کہ اس پر حضور سیدی اعلیٰ حضرت کی تقریظ ہے۔ ان کی چند سطریں یہ ہیں:

بزبانِ مصنف: میں انوارِ آفتابِ صداقت لے کر بارگاہِ اعلیٰ حضرت میں آیا تو حضرت کتاب دیکھ کر بہت خوش ہوئے اور فرمایا: جب تک میں خود اس کتاب کو نہ دیکھ لوں تسلی نہیں ہوسکتی، اور نہ میں اس پر کچھ لکھ سکتا ہوں، لیکن بوجہ آشوبِ چشم میں پڑھ نہیں سکتا، اگر آپ حرف بہ حرف سنادیں تو کچھ اظہارِ رائے کر سکتا ہوں، بالآخر ۳۲/ دنوں میں یہ کتاب سماعت فرما کر اظہارِ خوش نودی فرمایا۔ دوسرے حضرات نے بھی اپنی اپنی خوش نودی کا اظہار کیا ہے۔ اساتذۂ اشرفیہ نے جو کام اس پر کیا وہ کم نہیں ہے۔ عربی وفارسی عبارتوں کا ترجمہ اور حوالے لکھنا اور نئے اور عمدہ طور پر لانا بڑا کام ہے۔ اس پر محدثِ جلیل حضرت علامہ عبد الشکور مصباحی شیخ الحدیث جامعہ اشرفیہ مبارک پور اور حضرت علامہ سید محمد مدنی اشرفی جیلانی مصباحی کے بھی تاثرات ہیں۔

اشاعت : طلبہ جماعت سابعہ (فضیلت سال اول) ۱۴۳۱-۱۴۳۲/ ۲۰۱۰-۲۰۱۱ء۔

(۲) **تقدیس الوکیل عن توہین الرشید والخلیل:** تالیف وترتیب حضرت مولانا ابو عبد الرحمٰن غلام دستگیر قصوری ہاشمی نقش بندی علیہ الرحمہ (متوفیٰ ۱۳۱۵ھ)۔ یہ کتاب رشید احمد گنگوہی اور خلیل انبیٹھوی کے فاسد عقائد ونظریات کے رد میں لکھی گئی تھی۔ یہ کتاب اصلاً ریاست بھاول پور کے ایک مناظرے کی روداد ہے، جس میں مسئلہ امکان کذب پر بحث کی گئی ہے۔ اس مناظرے میں ان دونوں مولویوں کو بڑی ذلت اٹھانی پڑی تھی۔ ناشر طلبۂ

(۳)**نصر المقلدین:** مصنف حضرت علامہ حافظ و قاری سید شاہ احمد علی بٹالوی علیہ الرحمۃ۔ یہ کتاب غیر مقلدین کی پھیلائی ہوئی ہفوات کے رد میں ہے۔ اس پر کئی اکابر علما کی تقریظات ہیں۔ اس کتاب پر عمدۃ المحققین حضرت علامہ محمد احمد مصباحی کا ایک زبردست مقدمہ ہے جو بڑی اہمیت کا حامل اور قابلِ مطالعہ ہے۔ ان میں سے چند سطریں یہ ہیں۔

دوسری تیسری صدی میں مجتہدین بہت تھے اور ان کی تقلید بھی ہوتی تھی، لیکن عامۂ امت کو ضرورت اس بات کی تھی کہ عبادات و معاملات کے ہر باب میں طریقۂ عمل کیا ہو؟ کیا صورت ہو تو جواز ہے، کیا صورت ہو تو عدم جواز ہے؟ اس ضرورت پر امام ابو حنیفہ، امام مالک، امام شافعی، امام احمد بن حنبل اور ان کے اصحاب اور تلامذہ نے توجہ دی اور اپنے اپنے قواعدِ استخراج و استنباط کے مطابق فقہی احکام کتابوں میں جمع کیے اس سے افرادِ امت کو یہ آسانی ہوئی کہ جس امام کی تقلید اپنائی اس امام کے مسائل کتابوں میں یکجا پالیے۔ مگر تیرہویں صدی ہجری میں کچھ افراد ایسے پیدا ہوئے جنھوں نے تقلیدِ ائمہ کو شرک اور مقلدین ائمہ کو مشرک کہنا شروع کر دیا اور سرزمین ہند ترک تقلید کے فتنے سے دو چار ہوئی اور تقلید ائمہ پر طعن و تشنیع کا ہنگامہ خیز دور شروع ہوا۔ پھر تقلید کی مخالفت،، ائمہ کی تحقیر، خصوصاً امامِ اعظم ابو حنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور ان کے متبعین کے سب و شتم پر مشتمل بھاری لٹریچر سامنے آیا، جس کے رد میں تقلید کی حمایت، ائمہ کی ضرورت اور مخالفین کے اعتراضات کے جوابات پر مشتمل مقلدین کی بھی بہت سی کتابیں شائع ہوئیں۔

انھیں میں سے ایک کتاب ”نصر المقلدین“ بھی ہے۔

**گلہائے عنایت:** حضرت تاج الشریعہ علامہ مفتی محمد اختر رضا قادری ازہری مدظلہ العالی بریلی شریف۔ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم، مجھے یہ سن کر بڑی خوشی ہوئی کہ جامعہ اشرفیہ مبارک پور کے جماعتِ سابعہ کے طلبہ ہر سال علمائے اہلِ سنت کی کوئی کتاب جدید طباعت کے ساتھ شائع کرتے ہیں اور اسے زیادہ سے زیادہ لوگوں تک پہنچاتے ہیں۔ اس سال بھی انھوں نے ”نصر المقلدین“ مصنفہ مولانا احمد علی بٹالوی کا انتخاب کیا اور تقریظ لکھنے کے لیے میرے پاس بھیجی، میری طبیعت اجازت نہیں دے رہی ہے کہ پوری کتاب کا مطالعہ کر کے ایک جامع تقریظ رقم کروں، بہر حال میں دعا کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ ان طلبہ کی اس کوشش کو قبول فرمائے اور انھیں دینِ متین کی زیادہ سے زیادہ خدمت کرنے کی توفیق مرحمت فرمائے۔

نقوش کرم: امین ملت پروفیسر سید محمد امین میاں قادری برکاتی۔

کلماتِ دل نواز: شیخ الاسلام حضرت علامہ سید مدنی میاں اشرفی جیلانی

دعائیہ کلمات: نبیرۂ اعلیٰ حضرت حضرت مولانا محمد سبحان رضا سبحانی میاں۔

ناشر طلبۂ جماعت سابعہ (فضیلت سال اول) ۱۲-۲۰۱۱ء/۳۳-۱۴۳۲ھ

(۴) **نصرۃ المجتهدین فی جواب الظفر المبین:**

مصنف حضرت مولانا وکیل احمد سکندر پوری بلیاوی علیہ الرحمۃ وحمایۃ المقلدین فی اہتمام نصرۃ المجتہدین۔

مصنف حضرت مولانا سید شاہ احمد علی بٹالوی علیہ الرحمۃ۔ یہ دونوں کتابیں غیر مقلدین کے رد میں اہم اور قابلِ مطالعہ ہیں۔

ناشر: طلبۂ جماعتِ فضیلت۔ ۳۴-۱۴۳۳ھ/۱۳-۲۰۱۲ء

(۵) **مخالفین تقلید کا ایک جائزہ:**

از: رشحاتِ قلم حضرت امام احمد رضا قادری برکاتی بریلوی علیہ الرحمۃ۔

ولادت: ۱۲۷۲ھ/۱۸۵۶ء، وفات ۱۳۴۰ھ/۱۹۲۱ء

یہ کتاب مندرجہ ذیل چھ رسائل کا مجموعہ ہے جنھیں اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قدس سرہ نے مختلف مواقع پر سوالات کے جوابات کے طور پر لکھا تھا۔

[۱] النہی الاکید عن الصلاۃ وراء عدی التقلید۔ غیر مقلدین کے عقائد و مسائل اور ان کی اقتدا میں نماز کا حکم۔

[۲] حاجز البحرین الواقی عن جمع الصلاتین: دو نمازیں ایک وقت میں جمع کرنا، جائز نہیں ہیں پر محققانہ بحث۔

[۳] الہادی الحاجب عن جنازۃ الغائب: غائبانہ نمازِ جنازہ کا حکم۔

[۴] النہی الحاجز عن تکرار صلاۃ الجنائز: تکرارِ نمازِ جنازہ کا حکم۔

[۵] صفائح اللجین فی کون التصافح بکفر الدین۔ دونوں ہاتھ سے مصافحہ کا ثبوت۔

[۶] اہلاک الوہابین علی توہین قبور المسلمین۔ قبروں کی اہانت اور وہابیوں کی ہلاکت۔

یہ وہ رسالے ہیں جن کو عام طور سے لوگ نہیں جانتے، ضرورت تھی کہ انھیں عام کیا جائے، لہٰذا طلبۂ جامعہ اشرفیہ نے اساتذۂ کرام کے زیر نگرانی منظرِ عام پر لانے کی کوشش کی اور لوگوں کے سامنے پیش کیا۔

(۶) **انتصار الحق:** حضرت علامہ مفتی ارشاد حسین مجددی رام پوری علیہ الرحمہ۔

اس کتاب کے بارے میں کچھ لکھنے سے قبل صاحبِ کتاب کے حالات کا مختصر تذکرہ کرتا ہوں۔

کتاب کا نام انتصار الحق ہے جب کہ اس کے مصنف حضرت علامہ مفتی

محمد ارشاد حسین مجددی رامپوری علیہ الرحمۃ (متوفی: ۱۳۱۱ھ) ہیں۔ آپ کی ولادت ۱۴/ صفر المظفر ۱۲۴۸ھ محلہ پیلا تالاب شہر مصطفیٰ آباد عرف رام پور (یوپی) ہندوستان میں ہوئی اور نام محمد ارشاد حسین رکھا گیا۔ والد کا نام مولانا حکیم احمد حسین تھا۔ آپ کا سلسلہ نسب گیارہویں پشت میں حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی شیخ احمد فاروقی سرہندی علیہ الرحمہ سے جا ملتا ہے۔ آپ نے کم عمری میں ہی تعلیم شروع کر دی تھی۔ فارسی کی کتابیں والد گرامی مولانا حکیم احمد حسین اور برادرِ عزیز مولانا امداد حسین سے پڑھیں۔ اور نحو و صرف اور دیگر کتب اپنے علاقے میں پڑھیں، مزید تعلیم کے لیے لکھنؤ آئے اور علوم نقلیہ حاصل کرنے کے بعد علامۂ زمن مولانا محمد نواب افغانی نقش بندی سے علومِ عقلیہ حاصل کیے۔

جب تعلیم سے فراغت ہو چکی تو استاذ گرامی کی رہ نمائی سے عارف کامل علامہ مفتی شاہ احمد سعید نقش بندی مجددی کے دست حق پرست پر بیعت کی اور تھوڑے دنوں کے بعد اجازت و خلافت سے سرفراز ہوئے۔

آپ کو درس و تدریس سے کافی شغف تھا یہی وجہ ہے کہ آپ کا حلقۂ درس بہت وسیع تھا، دور دراز سے تشنگانِ علومِ دینیہ رام پور آکر آپ کے حلقۂ درس میں شریک ہوتے اور اپنی علمی پیاس بجھاتے، آپ دو وقت درس دیتے تھے، ایک صبح کے وقت سے دوپہر تک اور دوسرا سہ پہر میں نماز عصر سے فارغ ہو کر، مغرب تک کتبِ تصوف کا درس دیتے او قصیدۂ فارضیہ وغیرہ پڑھاتے۔ آپ ہفتہ میں دو دن (منگل اور جمعرات) فتاویٰ تحریر فرماتے تھے۔ آپ نے اپنی عمر میں کثیر تعداد میں فتاوے لکھے، لیکن وہ محفوظ نہیں رہ سکے بعض احباب نے نقل بھی کیے لیکن وہ بہت قلیل تھے، تقریباً ڈھائی سو فتاویٰ دستیاب ہو سکے۔

آپ کی بارگاہ کے تربیت یافتہ طلبۂ عظام اپنے وقت کے آفتاب و ماہتاب بن کر چمکے، جن میں سے چند یہ ہیں:

(۱) مولانا احسان حسین مجددی جو آپ کے فرزند اکبر ہیں۔ (۲) مولانا سید راشد علی رام پوری (۳) مولانا اعجاز حسین رام پوری (۴) مولانا امداد حسین رام پوری، یہ آپ کے برادرِ کبیر تھے۔ (۵) مولانا حکیم حسین رضا قادری برکاتی بریلوی۔

حج و زیارت: آپ اپنے خادم خاص محمد موسیٰ بخاری کو لے کر حج و زیارت کے لیے روانہ ہوئے۔ آٹھ ماہ میں پیدل یہ سفر ختم کیا۔ حج بیت اللہ سے فراغت کے بعد مدینہ منورہ حاضر ہو کر روضۂ اطہر سید عالم ﷺ کی زیارت سے مشرف ہوئے۔ زیرِ سایہ روضۂ مبارک سید المرسلین ﷺ حضرت مولانا مفتی شاہ احمد سعیدی مجددی کی خدمت میں رہ کر ایک سال تک تکمیلِ سلوک کیا اور منصبِ قطبیت پر فائز ہوئے۔ جب ایک سال ہو گیا تو سید المرسلین ﷺ نے آپ کے پیر و مرشد حضرت مولانا مفتی شاہ احمد سعید مجددی قدس سرہ کو خواب میں حکم فرمایا کہ ارشاد حسین کو رام پور بھیج دو۔ اور واپسی کے بعد عارف باللہ مولانا عبد الکریم قادری چشتی کی خانقاہ کے حجرے میں قیام فرمایا اور دورانِ قیام نو ماہ میں قرآن کریم حفظ کیا اور سنت نبوی پر عمل کرتے ہوئے ایک بیوہ عورت سے نکاح کیا۔

تصانیف: [۱] انتصار الحق [۲] ترجمہ کتاب الجبل عالم گیری [۳] فتاویٰ ارشادیہ جلد اول [۴] جلد دوم [۵] ارشاد الصرف۔

وصال: ۸/ جمادی الآخرہ ۱۳۱۱ھ کو بخار میں مبتلا ہوئے۔ روز بروز اس میں تیزی ہوتی گئی اور ۱۵/ جمادی الآخرہ ۱۳۱۱ھ پیر کا دن گزار کر شب میں عشا کے بعد تلخی سکرات معلوم ہوئی اور صبح کاذب میں جامِ وصال نوش فرمایا۔ وقتِ وصال آپ کی عمر ترسٹھ سال کی تھی جس میں تیس سال تعلیم و ارشاد میں گزارے۔

اب میں انتصار الحق کے بارے میں کچھ بیان کرتا ہوں۔ اس کتاب کے لکھنے کی وجہ اس وقت پیش آئی جس وقت ۱۳۰۲ھ میں دہلی کے تین غیر مقلد علما اور علمائے دیوبند، گنگوہ اور سہارن پور کی توجہ اور مطبع ہاشمی میرٹھ کی سعی سے ایک فتویٰ چار ورق پر چھپا جس میں نبی کریم ﷺ کے میلادِ پاک کو بدعت و ضلالت اور فاتحہ کو حرام، رسم بد اور معصیت کہا گیا۔ مزید برآں کچھ ہی دنوں کے بعد مطبع ہاشمی میرٹھ سے ایک دوسرا فتویٰ چوبیس صفحے کا چھپ کر شائع ہوا، جس میں سید المرسلین ﷺ کے میلادِ پاک کو کنھیا کے جنم سے تشبیہ دی گئی، نعوذ باللہ من ذٰلک تو عاشقِ رسول حضرت مولانا عبد السمیع انصاری علیہ الرحمۃ نے "انوارِ ساطعہ" کے نام سے ان دونوں خطوں کا رد لکھا اور حضرت علامہ ارشاد حسین رام پوری علیہ الرحمۃ نے زبردست جواب لکھا اور اس کو اتنا ضخیم کر دیا کہ اس کا احاطہ ۴۱۶/ صفحات پر مشتمل ہوا اور اس کا نام انتصار الحق رکھا۔ یہ کتاب پہلی بار صفر المظفر ۱۴۱۰ھ/ ستمبر ۱۹۸۹ء کو شائع ہوئی لیکن اس کی ضرورت شدت سے کی جا رہی تھی اور علما و مشائخ کی خواہش بھی تھی کہ یہ کتاب جلد از جلد منظر عام پر آ جائے۔ آخر کار موجودہ جماعتِ سابعہ کے طلبہ وقت کی آواز پر لبیک کہتے ہوئے انتصار الحق کو چھاپنے کے لیے تیار ہو گئے۔

اس کتاب پر محمد احمد مصباحی دام ظلہ کی توجہ سے مولانا محمد صادق رضا مصباحی اور مولانا مفتی محمود علی مشاہدی استاذ جامعہ اشرفیہ مبارک پور کام کرنے کے لیے تیار ہو گئے۔ یہ کتاب اتنی ضخیم تھی کہ بعض عبارتوں کو سمجھنا نہایت مشکل کام تھا۔ عربی عبارتوں کا ترجمہ، اصل نسخے سے موازنہ اور عبارتوں کا حوالہ اور مشکل الفاظ کو آسان لب و لہجہ کے ساتھ بیان کر کے چھاپا جائے گا۔

کتاب کا پرانا نسخہ ۴۱۶/ صفحات پر مشتمل تھا، لیکن اب جو یہ کتاب زیورِ طباعت سے مزین ہو کر منظر عام پر آئی وہ کم و بیش ۸۰۰/ صفحات پر مشتمل ہے۔ اور اس کی رسم اجرا علما و مشائخ کے ہاتھوں بموقع جشن حضور مفتی اعظم ہند کے موقع پر الجامعۃ الاشرفیہ مبارک پور کے وسیع صحن میں ۲۰/ مارچ ۲۰۱۴ء کو ہو گا۔

# جنسی تشدد کے لیے قصوروار کون؟

صابر رضا رہبر

ہر مسئلہ کا حل مغربی تہذیب وثقافت اور مغربی قوانین میں ڈھونڈنے کے عادی لوگوں کے لیے وہائٹ ہاؤس کی یہ تازہ رپورٹ آئینہ دکھاتی ہے کہ امریکہ میں ۲/ کروڑ ۲۰/ لاکھ خواتین ریپ کا شکار ہیں یعنی ریاست ہائے متحدہ میں ہر پانچویں عورت کی آبروریزی ہوتی ہے۔ ریپ کی شکار تقریبًا آدھی خواتین ۱۸/ سال سے کم عمر میں ہی جنسی حملہ کا شکار ہوتی ہیں۔ ہر پانچویں طالبہ کالج میں جنسی تشدد کا شکار ہوتی ہے۔ ۹۸/ فیصد خواتین کے قریبی لوگ ہی ان کا جنسی استحصال کرتے ہیں۔ اس رپورٹ کا سب سے تشویش ناک پہلو یہ کہ امریکہ میں مرد بھی محفوظ نہیں ہیں، وہاں ۱۶/ لاکھ مرد اپنی عصمت لٹا بیٹھے ہیں۔

عورتوں کے خلاف جنسی تشدد کے لیے قصوروار کون ہے؟ مردوں کی بالادستی والا سماج یا پھر ماڈرن تہذیب؛ جہاں خواتین کا نیم عریاں رہنا ترقی پسندی کی علامت سمجھا جاتا ہے۔ یہ معاملہ ایک بار پھر موضوع بحث ہے اور مہاراشٹر خواتین کمیشن کی ایک رکن کے بیان پر ہنگامہ برپا ہے۔ خواتین کے لیے کام کرنے والے حکومتی پینل کی رکن آشا مرجے نے کہا تھا کہ کسی حد تک خواتین خود عصمت دری کے واقعات کی ذمہ دار ہیں اور ان کے ملبوسات اور رویے کا بھی اس میں اہم کردار ہے۔ ان کا کہنا ہے کہ آبروریزی کے واقعات اس لیے ہوتے ہیں کیوں کہ خواتین کپڑے ٹھیک نہیں پہنے ہوتیں، دوسرے یہ کہ اس طرح کے واقعات ان کے رویے اور ان کے غیر ضروری جگہوں پر جانے سے ہوتے ہیں۔ دہلی اور ممبئی کی واردات کو مثال کے طور پر پیش کرتے ہوئے کہا کہ کیا دامنی کو رات کو گیارہ بجے اپنے دوست کے ساتھ فلم دیکھنے جانا چاہیے تھا؟ فیکٹری میں ہونے والی اجتماعی جنسی زیادتی کے واقعہ کو دیکھیں، کیا متاثرہ کو شام کے چھ بجے ایک ویران جگہ پر جانا چاہیے تھا؟

آشا مرجے کے بیان پر غور وفکر کیے بغیر ان کے خلاف ہنگامہ آرائی کا بازار گرم کر دیا گیا؛ یہاں تک کہ خواتین کے حقوق کے لیے کام کرنے والی تنظیموں کے کارکنان، کانگریس پارٹی اور بی جے پی نے اس بیان کو ناقابل قبول قرار دیا ہے جبکہ کانگریس کی سینئر رکن ریتا گھوانا جوشی نے اپنا ردعمل کچھ اس طرح ظاہر کیا کہ یہ بیان بالکل ناقابل قبول ہے۔ خواتین کے کمیشن کی رکن کو اس قسم کے بیانات نہیں دینے چاہیے۔ خواتین کو زیادہ بااختیار بنانے کی بات کرنی چاہیے نہ کہ ان کے لباس پر پابندیاں لگانی چاہیے۔ میں ریتا گھوانا جوشی سے پوچھنا چاہوں گا کہ ماضی کی بہ نسبت تو آج خواتین زیادہ بااختیار ہیں سماجیات، تعلیم، سیاست اور تعلیم ہر میدان میں خواتین کی قابل ذکر ترقی ہوئی ہے۔ اگر آپ کی بات تسلیم کرلی جائے تو ماضی کے مقابلے میں آج آبروریزی کی واردات میں کمی آنی چاہیے تھی۔ لیکن اعداد وشمار اس مفروضہ کو غلط ثابت کررہے ہیں آج ہندوستان میں ہر ۲۲/ منٹ پر ایک خاتون کی آبرو سے کھلواڑ کیا جاتا ہے۔

اس مسئلہ پر آر ایس ایس سربراہ موہن بھاگوت نے کہا تھا کہ انڈیا میں ریپ کے واقعات ہوتے ہیں ہندوستان میں نہیں یعنی انڈیا سے مراد مغربیت کی نمائندگی کرنے والا سماج جب کہ ہندوستان سے مراد باحجاب اور شرم وحیا والا معاشرہ ہے۔ اس طرح کے کئی اور نظریات بھی سامنے آئے تھے اور اس پر جم کر ہنگامہ ہوا تھا یہاں تک کہ خواتین کمیشن اور انسانی حقوق کی تنظیموں کو مخالفت کا سامنا بھی کرنا پڑا تھا؛ کچھ لوگوں نے اسے اپنی ذات رائے قرار دے کر غیر ضروری ہنگامہ آرائیوں کا حصہ بننے سے خود کو دور رکھنے کی کوشش کی۔ ایسے افراد سے میرا سوال ہے کہ حکومت نے ان کے مطالبہ کو تسلیم کرتے ہوئے سخت قانون وضع کر دیا ہے تو اب اس طرح کے واقعات میں کمی کیوں نہیں آرہی ہے۔ دہلی کی دامنی کے بعد ممبئی کی خاتون جرنلسٹ، راجستھان میں دربھنگہ کی بیٹی اور کولکاتہ میں سستی پور کی بیٹی کا ویسا ہی حشر نہیں ہونا چاہیے تھا۔ کیا واقعی ہمارے سماج کی موجودہ روش خواتین کی ناموس وعفت کے لیے خطرناک ہے؟ یہ سوال اس لئے اہم ہے کہ آج پوری دنیا میں خواتین کے خلاف جنسی تشدد، اجتماعی عصمت دری اور چھیڑ خانی کی واردات میں ناقابل یقین اضافہ ہوتا

سب ایڈیٹر روزنامہ انقلاب، پٹنہ

جارہا ہے۔ دہلی، ممبئی، راجستھان اور کولکاتہ میں ہوئی اجتماعی عصمت دری کی واردات کے بعد اس سلسلے میں لوگوں میں بیداری ضرور آئی ہے تاہم اس کے سدباب کے لیے کوئی مستحکم پہل ہنوز ہوا ہے۔ صرف سخت قوانین کسی مسئلہ کا حل نہیں ہوسکتے ہیں۔ اس نوعیت کے گناہ کے مرتکب افراد کی سزا کے لیے قوانین ہونے کے باجود اس پر روک لگ پانا مشکل کیوں کر ہوتا جارہا ہے؛ یہ پہلو زیادہ توجہ طلب ہے۔ جب تک ہم کسی مسئلہ کا حل ڈھونڈنے سے قبل اس کے اسباب وعلل پر اپنی توجہ مرکوز کر کے سنجیدہ لائحہ عمل طے نہیں کریں گے اس وقت تک کسی بھی مسئلہ کا مثبت اور دیرپا حل نکل پانا غیر یقینی ہے۔

دہلی کی واردات کے بعد ایک بار پھر خواتین کے خلاف جنسی تشدد عوامی بحث کا موضوع بنا اور اس پر مختلف مکتب خیال کے لوگوں نے کھل کر اپنی رائے کا اظہار کیا اور یہ سلسلہ ہنوز جاری ہے، لیکن اس دوران جو سب سے تشویشناک پہلو سامنے آرہا ہے وہ یہ ہے کہ ہندوستان میں خصوصی طور پر لوگوں کے منجمد نظریے سامنے آئے اور آرہے ہیں۔ ہندستان کے ہر شخص کو اپنی رائے قائم کرنے کا پورا اختیار ہے لیکن کسی بھی رائے کو پتھر کی لکیر سمجھ لینا عقل مندی کی بات نہیں ہوسکتی ہے۔ جب تک ہمارے اندر دوسرے کی رائے کو اہمیت دینے اور اپنے نظریات میں تبدیلی کا جذبہ پیدا نہیں ہوگا تب تک کسی اجتماعی فکر کا سامنے آنا غیر ممکن ہے۔

دامنی معاملہ کے بعد لوگوں کو لگا کہ سخت قانون ہی اس کا حل ہو سکتا ہے۔ لہٰذا حکومت نے بھی عصمت دری سمیت خواتین کے خلاف تشدد کے دیگر متعلقہ قوانین سخت کر دیے یہاں تک کہ کسی خاتون کو گھور کر دیکھنا بھی جرم کے زمرے میں شامل کر دیا گیا لیکن یہ واضح نہیں کیا گیا کہ یہ کیسے طے ہوگا کہ کسی نے کسی خاتون کو گھور کر دیکھا ہے؟ عدالت میں صرف متاثرہ خاتون کی ہی بات قابل یقین ہوتی ہے اور اس کے پیش نظر اکثر فیصلے ہوتے ہیں ایسی صورت میں کوئی بھی خاتون کسی بھی مرد کو آسانی کے ساتھ پریشان کر سکتی ہے اور ایسے واقعات بھی سامنے آرہے ہیں۔

ایشیائی ممالک میں احساس کمتری کی جڑیں اس قدر گہری ہوگئی ہیں کہ وہ اب اپنے ہر مسئلہ کا حل یورپین تہذیب وثقافت اور قوانین میں ڈھونڈنے کے عادی ہوگئے ہیں اور اس معاملے میں بھی یہ عام خیال سامنے آتا رہا ہے کہ امریکہ سمیت دیگر یورپین ممالک میں عریانیت اور خواتین کی آزادی کے باوجود وہاں کی خواتین محفوظ ہیں حالاں کہ یہ تصور دور سے سراب دیکھ کر پانی کا یقین کر لینے کا جیسا تھا۔ اب تو وہائٹ ہاؤس سے جاری ایک رپورٹ نے بھی اس کی قلعی کھول کر رکھ دی ہے۔ یہاں اس رپورٹ کی ہلکی تفصیل کا ذکر مغربیت زدہ فکر کو آئینہ دکھانے کے لیے ضروری ہے۔ رپورٹ کے مطابق امریکہ میں ۲/ کروڑ ۲۰/ لاکھ خواتین ریپ کا شکار ہیں یعنی ہر پانچویں عورت کی آبروریزی ہوتی ہے۔ ۲۲/ جنوری بروز بدھ کو جاری رپورٹ کے مطابق تقریباً آدھی ریپ کی شکار خواتین ۱۸/ سال سے کم عمر میں ہی جنسی حملہ کا شکار ہوتی ہیں۔ ہر پانچویں طالبہ کالج میں جنسی تشدد کا شکار ہوتی ہے۔ رپورٹ کے مطابق ۱۸/ سال سے کم عمر کی لڑکیوں سے ریپ کرنے والے زیادہ تر ملزم نوجوان ہی ہوتے ہیں جب کہ ۱۰/ سال کی لڑکیوں سے ریپ کرنے والوں میں زیادہ تر ادھیڑ عمر کے لوگ شامل ہوتے ہیں۔ رپورٹ کے اعداد و شمار بتاتے ہیں کہ ۹۸/ فیصد خواتین کے قریبی لوگ ہی ان کا جنسی استحصال کرتے ہیں۔ آبروریزی کا نشانہ بننے والوں میں ۳۳٫۵/ فیصد مختلف ذات، طبقہ کی خواتین ریپ کا شکار ہوتی ہیں، جن میں ۲۷/ فیصد امریکی۔ بھارتی اور الاسکا کی خواتین شامل ہیں۔ ۱۵/ فیصد ہسپانوی، ۲۲/ فیصد نیگرو، ۱۹/ فیصد یورپی خواتین کے ساتھ ریپ ہوتا ہے۔ اس رپورٹ کا سب سے تشویشناک پہلو یہ کہ امریکہ میں مرد بھی محفوظ نہیں ہیں، وہاں ۱۶/ لاکھ مرد اپنی عصمت لٹا بیٹھے ہیں۔ ایک کارروائی نام کی یہ رپورٹ کے بعد صدر براک اوباما نے طالبات کے جنسی استحصال کو روکنے کے لیے ایک ٹاسک فورس بنانے کی تجویز پر دستخط کیے ہیں۔

عصمت دری ایک سماجی مسئلہ ہے اور اس سے سماجی دائرے میں ہی حل کیا جاسکتا ہے۔ خواتین کے باحجاب ہونے اور مردوں میں اعلیٰ ظرفی کے علاوہ خواتین کے تئیں مثبت بیداری لانے سے ہی اس کا حل نکل سکتا ہے۔ انہیں باور کرانا ہوگا کہ زن کے وجود سے کائنات میں رنگ ہے۔ مضبوط قوانین کے ساتھ ساتھ اس پر سختی سے عمل کرنا ہر حال میں اہم ہے، تبھی صالح معاشرہ کی تشکیل ممکن ہوسکتی ہے۔ خواتین کے خلاف جنسی تشدد کے مسائل سے نبرد آزما سماج کے لیے اسلامی قانون ایک بہتر متبادل ثابت ہوسکتا ہے اور اس کا مطالبہ لوک سبھا میں بی جے پی سے تعلق رکھنے والی اپوزیشن لیڈر سشما سوراج بھی کر چکی ہیں۔

☆☆☆☆

# 2014 پارلیمانی انتخابات اور ہماری ذمہ داریاں

بزمِ دانش میں آپ ہر ماہ بدلتے حالات اور ابھرتے مسائل پر فکر و بصیرت سے لبریز نگارشات پڑھ رہے ہیں۔ ہم ارباب قلم اور علمائے اسلام کو دعوت دیتے ہیں کہ وہ دیے گئے موضوعات پر اپنی گراں قدر اور جامع تحریریں ارسال فرمائیں۔ غیر معیاری اور تاخیر سے موصول ہونے والی تحریروں کی اشاعت سے ہم قبل از وقت معذرت خواہ ہیں۔ از: مبارک حسین مصباحی

مئی ۲۰۱۴ء کا عنوان سوشل میڈیا- کتنا مفید، کتنا مضر؟

جون ۲۰۱۴ء کا عنوان آئینِ نو اور طرزِ کہن

## مسلمان پارٹیوں کی بنیاد پر نہیں بلکہ اچھے امیدواروں کی بنیاد پر ووٹ دیں

محمد ساجد رضا مصباحی، استاذ جامعہ صمدیہ، پھپھوند شریف

پارلیمانی انتخابات کے دن قریب آتے جا رہے ہیں، سیاسی پارٹیاں انتخابی تیاریوں میں مکمل طور پر مصروف ہو چکی ہیں، ہندوستانی پرنٹ میڈیا اور الیکٹرانک میڈیا نے اپنے اپنے راگ الاپنے شروع کر دیے ہیں، شوشل میڈیا میں پروپیگنڈوں کا سلسلہ جاری ہے، قیاس آرائیاں، چہ می گوئیاں، تبصرے اور ایک دوسرے پر لعن طعن کے سلسلے دراز ہوتے جا رہے ہیں، سیاسی قائدین ووٹروں کو رجھانے کے لیے خوش نما وعدے اور سبز باغ دکھانے میں پوری طرح مصروف ہیں گویا پورا ملک الیکشن کے خمار میں ہے، ہندوستانی مسلمان ہمیشہ کی طرح اس بار بھی ٹکڑیوں میں بٹے نظر آ رہے ہیں، سیاسی پارٹیاں ہر بار کی طرح اس بار بھی مسلمانوں کو بے وقوف بنانے کی پوری تیاری کر رہی ہیں، ہر پارٹی اپنے آپ کو مسلمانوں کا بہی خواہ ظاہر کرنے کی کوشش میں لگی ہوئی ہے، دوسری طرف مسلمانوں کے پاس نہ تو سیاسی شعور ہے اور نہ ہی کوئی مضبوط پلیٹ فارم، آزادی کے بعد سے اب تک مسلم قوم اپنی سیاسی قیادت طے کرنے میں ہی کامیاب نہیں ہو سکی ہے، بعض علاقوں میں مسلمانوں کے نام پر کئی سیاسی تنظیمیں بھی وجود میں آئیں لیکن وہ ملکی سطح پر اتنا اثر نہیں پیدا کر سکیں جس سے وہ مسلمانوں کا سیاسی پلیٹ فارم بن سکیں۔ اس صورت حال میں ایک بڑا سوال یہ ہے کہ مسلمان کیا کریں؟ کدھر جائیں؟ کس پارٹی کو ووٹ دیں، ؟ کس کی حمایت کریں؟ یہ انتہائی اہم سوالات ہیں۔

سب سے بڑی بات یہ ہے کہ ہم سب سے پہلے اپنا احتساب کریں کہ ہم آزادی کے بعد سے اب تک مختلف سیاسی پارٹیوں کے آلۂ کار کیوں بنے رہے، ہمیں ہمیشہ ووٹ بینک ہی کیوں سمجھا گیا، مسلم مسائل پر کسی پارٹی نے کیوں توجہ نہیں دی، سیاسی جماعتیں مسلمانوں کے تعلق سے کیے گئے انتخابی وعدوں کو عملی جامہ پہنانے میں کوتاہی کیوں برتتی رہیں۔ دراصل ہم نے آپسی اتحاد واتفاق کی راہیں ہموار کر کے کوئی مضبوط سیاسی پلیٹ فارم بنانے کی کوشش نہیں کی، ہمارا ووٹ ہمیشہ بکھرا رہا، ہم مختلف پارٹیوں کے حاشیے میں تو رہے لیکن کسی بھی پارٹی میں ہمیں کوئی نمایاں حیثیت نہیں مل سکی، سیکولرزم کے نام پر کئی پارٹیوں نے مسلمانوں کا خوب استحصال کیا اور مسلمان اپنی تقدیر سمجھ کر اسے برداشت کرتے رہے۔ حقیقت یہ ہے کہ اپنے آپ سیکولر کہنے والی پارٹیوں میں کوئی ایسی پارٹی نہیں جو مسلمانوں کے حق میں مفید اور لائق اعتبار ہو، کانگریس پر مسلمان ایک زمانے تک بھروسہ کرتے رہے اور مرکز میں حکومت سازی میں اہم کردار ادا کیا لیکن کانگریس نے ہمیشہ مسلمانوں کے ساتھ دھوکہ کیا، بظاہر سیکولر ہونے کا

دعویٰ کرنے والی اس پارٹی نے، مسلمانوں کا کھوکھلا کرنے میں کوئی کسر نہیں چھوڑی، مسلمانوں کو ان کی طرف سے صرف جھوٹے وعدے ملے، سچر کمیٹی کے نام پر مسلمانوں کی بے بسی اور کس مپرسی کا مذاق تو خوب اڑایا گیا لیکن مسلمانوں کی ترقی کے لیے اس کی شفارشات کو نافذ کرنے کے لیے اقدامات نہیں کیے گئے، ملک کے مختلف علاقوں میں مسلمانوں پر مظالم ڈھائے گئے، مسلمانوں کے مسائل سے جس طرح صرف نظر کیا گیا، جس طرح دہشت گردی کے جھوٹے الزام میں مسلم نوجوانوں کی زندگیاں تباہ و برباد کی گئیں، جس طرح پولیس کو Demorlise نہ ہونے دینے کے نام پر بٹلہ ہاؤس انکاؤنٹر کی تحقیق سے انکار کیا گیا، جس طرح مسلم مفادات والے بلوں کے پاس کرانے میں کوتاہی برتی گئی شاید ان چیزوں کو پیش نظر رکھ کر مسلمانوں کو کانگریس پر اعتماد کا مشورہ نہیں دیا جا سکتا۔ اس کے علاوہ سیکولر کہی جانے والی دوسری پارٹیوں کے تعلق سے بھی مسلمانوں کے تجربات خوش گوار نہیں رہے ہیں، مایاوتی کی بی ایس پی، ممتا بنرجی کی ترنمول کانگریس، چندرابابو نائڈو کی تیلگو دیشم براہ راست مرکزی سطح پر یا ریاستی سطح پر بی جے پی کے ساتھ حکومت میں شامل رہی ہے۔ اتر پردیش کی سماج وادی حکومت مسلمانوں کی رہین منت مانی جاتی رہی ہے، مسلمانوں کے ووٹ کے بل پر اقتدار پر آنے والی حکومت بھی مسلم مسائل کے تحت سنجیدہ نہیں۔ بنگال میں ممتا بنرجی نے مسلمانوں کو بے وقوف بنانے میں کوئی کسر نہیں چھوڑی، ائمہ مساجد کے تنخواہ کے نام پر کبھی کولکاتا میں تو کبھی دہلی میں بے چارے امام اور موذن سے ممتا دیدی کے نعرے تو خوب لگوائے گئے، لیکن ملازمتوں میں مسلمانوں کی حصہ داری کا ایشو کبھی نہیں اٹھایا گیا، پرائمری اسکولوں میں اساتذہ کی تقرری میں بھی مسلمانوں کو نظر انداز کیا گیا، آخر ہم ان پارٹیوں کے سیلوکر ہونے کا دعویٰ کس طرح تسلیم کر لیں، ہم ان کے دعووں پر کن بنیادوں پر اعتماد کر لیں۔

در اصل ان سیکولر کہلانے والی پارٹیوں نے مسلمانوں کے تعلق سے یہ ذہن نشیں کر لیا ہے کہ ان کے پاس ہمارے علاوہ کوئی متبادل نہیں ہے، کیوں کہ بی جے پی کو مسلمان کسی قیمت پر ووٹ نہیں دے سکتے لہٰذا ان کے لیے سماجوادی اور کانگریس وغیرہ سیکولر کہلانے والی چند دوسری پارٹیوں کے علاوہ کوئی آپشن نہیں ہے، یہ پارٹیاں اسی نظریہ کے تحت مسلمانوں کو بی جے پی کا خوف دلا کر ان کا ووٹ بٹورتی رہی ہیں۔ حالاں کہ ان پارٹیوں کو بی جے پی کے بنیادی نظریات سے کوئی اختلاف نہیں، بنیادی طور پر ان سیکولر کہلانے والی پارٹیوں کے نظریات بھی وہی ہیں جو بی جے پی کے ہیں، ان پارٹیوں کے لیے بی جے پی اچھوت نہیں اور نہ ہی یہ بی جے پی کے لیے اچھوت ہیں، اگر موقع بہ موقع ان پارٹیوں کی جانب سے بی جے پی کی مخالفت کی جاتی ہے تو وہ اپنی زیست کی بقا اور مسلمانوں کا ووٹ حاصل کرنے کے لیے، ایسا ہرگز نہیں کہ یہ پارٹیاں بی جے پی کی مسلم دشمنی کی وجہ سے ان سے نفرت کرتی ہیں۔

ظاہر ہے کہ جب کوئی پارٹی مسلم مفادات کے تئیں مخلص نہیں تو مسلمانوں کا یک جٹ ہو کر کسی پارٹی کو ووٹ دینا اور اس کی حمایت کرنا بے معنیٰ ہے، لہٰذا ضروری ہے کہ مسلمان پارٹیوں کی بنیاد پر نہیں بلکہ امیدواروں کی بنیاد پر اپنے ووٹ کا استعمال کریں، اس پس منظر میں مسلمانوں کے لیے لازم ہے اپنے ووٹ کو تقسیم ہونے سے بچائیں، علاقائی سطح پر جو امیدوار مسلم مفادات کے تئیں مخلص ہوں، اس کے حق میں اجتماعی طور پر ووٹ ڈالا جائے۔ خصوصا وہ علاقے جہاں مسلمان کثیر تعداد میں بستے ہیں وہاں پوری طاقت صرف کر کے کسی مناسب امیدوار کے حق میں ووٹ ڈالا جائے، اس سے بڑا فائدہ یہ ہوگا کہ مسلمان علاقائی طور سیاست میں اثر رسوخ قائم کرنے میں کامیاب ہو جائیں گے، نیز ہماری تعداد کے حساب سے انتخابی حلقے مسلمانوں کے ہاتھ میں ہوں گے، اس کے لیے مسلمانوں کو مختلف پارٹیوں میں شامل ہو کر اپنی بات منوانی ہوگی، کسی ایک پارٹی پر بھروسہ کرنا اور ایک ہی پارٹی تک اپنے آپ کو منحصر کر مسلمانوں کے لیے گھاٹے کا سودا ہوگا۔

بعض ذہنوں میں یہ سوال پیدا ہو سکتا ہے کہ اس طرح کوئی بھی پارٹی مسلمانوں کی رہین منت نہیں ہوگی اور اس کو قبول نہیں کرے گی کہ وہ مسلمانوں کے ووٹ سے کامیاب ہو کر اقتدار تک پہنچی ہے، اس لیے اسے مسلمانوں کے مطالبات پر عمل پیرا ہونا چاہیے، یہ خیال ماضی کے تجربات سے ناآشنائی کی بنیاد پر ہے، اس لیے کہ ماضی میں جو پارٹیاں براہ راست اور واضح طور پر مسلمانوں کے ووٹ سے کامیاب ہوئیں انہوں نے کتنا مسلمانوں کے جذبات واحساسات کا خیال رکھا، اور مسلمانوں کے مفادات کے لیے کون سے کارنامے انجام دیے؟ ہمیں اس حقیقت کو سمجھنا ہوگا۔

مسلم سماج میں حق رائے دہی کے تعلق سے بیداری پیدا کرنا بھی وقت کا اہم تقاضا ہے، مسلم ووٹر اپنے حق رائے دہی کا استعمال ضرور کریں لیکن سمجھ بوجھ کر کریں، حالیہ پارلیمانی انتخاب میں ضروری ہے کہ ہم اپنے ووٹرس کو زیادہ سے زیادہ تعداد میں پولنگ بوتھ تک پہنچانے میں کامیابی حاصل کریں۔ مسلمانوں کے نوجوان طبقے میں خاص طور سے بیداری پیدا کرنا ضروری ہے، کیوں کہ یہی جوان ہماری قوم کے مستقبل ہیں، پرانی نسل کے سلسلے میں فرقہ پرستوں کا مکمل اطمینان ہو چکا ہے کہ نہ تو یہ بیدار ہوں گے اور نہ ہی مسلمانوں میں حق رائے دہی کے تعلق سے کوئی بیداری پیدا ہوگی۔

مسلمانوں کو نام نہاد مسلم نیتاؤں سے بھی بڑا نقصان پہنچا ہے، مسلمان اس جذبے کے تحت انہیں ووٹ دے کر کامیاب کرتے ہیں کہ وہ مسلم مسائل کو حل کرنے کی کوشش کریں گے، مسلم مفادات کے حصول کے لیے جدو جہد کریں گے، لیکن الیکشن جیتنے کے بعد نہ تو اسے مسلمان یاد آتے ہیں اور مسلم مسائل، حصول جاہ و منصب کی خواہش میں وہ پارٹی کے ہر صحیح و غلط اقدام پر خاموش تماشائی بنے رہتے ہیں، اور مسلم عوام کی ضروریات کو بھلا کر اپنے سیاسی آقاؤں کی دریوزہ گری کو اپنا پیشہ بنا لیتے ہیں۔ مسلم مفادات کے حصول کے لیے جدو جہد تو در کنار وہ مسلمانوں کی ترقی کے نام الاٹ کیے جانے والے فنڈ کو بھی ہڑپنے میں دریغ محسوس نہیں کرتے، آج بھی ہندوستانی سیاست میں کئی ایسے مسلم رہنما موجود ہیں جو مسلمانوں کے نمائندہ اور مسیحا سمجھے جاتے ہیں اور مسلم ووٹ ہی کے بل بوتے پر ان کا سارا کاروبار چل رہا ہے، لیکن یہ مسلمانوں کے حق میں کیے جانے والے فیصلوں میں سب سے بڑی رکاوٹ بن رہے ہیں، خصوصًا اتر پر دیش کی سیاست میں کئی ایسے چہرے دیکھے جا سکتے ہیں۔ مسلمانوں کے لیے ایسے نام نہاد سیاسی آقاؤں کو سبق سکھا کر کیفر کردار تک پہنچانا نہایت ضروری ہے۔ حالیہ پارلیمانی انتخاب ہندوستانی مسلمانوں کے لیے خود احتسابی کا موقع ہے، لمحوں کی خطا برسوں کی سزا کا باعث ہو سکتی ہے، ضروری ہے کہ ہم صرف جذبات سے کام نہ لیں بلکہ مومنانہ فہم و فراست سے کام لیتے ہوئے صحیح امیدوار کو کامیاب بنائیں۔

☆☆☆☆☆

# بے داغ پارٹیوں کو ہی ووٹ دیا جائے

محمد عابد چشتی، جامعہ حضرت نظام الدین اولیاء، دہلی

اتنی بات تو طے ہے کہ جوں ہی انتخابات کا موسم قریب آتا ہے خواہ وہ ریاستی انتخابات ہوں یا پھر پارلیمانی انتخابات، اس میں جہاں ایک طرف امیدوار پارٹیوں کے درمیان رسہ کشی، طعن و تشنیع، کھینچا تانی، الزام تراشی، جذبۂ مسابقت اور بلند بانگ دعوؤں اور نعروں کا بازار گرم ہو جاتا ہے، وہیں دوسری طرف مسلم طبقہ کے حوالہ سے علاحدہ محاذ قائم ہو جاتے ہیں اور سیاسی گلیاروں میں مسلمانوں کی پوزیشن، ان کے واقعی رول، حصہ داری اور ذمہ داری پر بھی بحث ہوتی ہے، جس کا اہتمام اسلامی اور غیر اسلامی صحافت دونوں میدان سے جُڑے ہوئے دانش وران برابر کرتے ہیں، چوں کہ ۲۰۱۴ کے پارلیمانی انتخابات کا وقت قریب آ رہا ہے، لہٰذا پرنٹ اور الیکٹرانک میڈیا میں مسلمانوں کو لے کر قیاس آرائیاں شروع ہو گئی ہیں، پہلے ہم یہ بتا دیں کہ ۲۰۱۴ء کے انتخابات کئی وجوہات سے اہمیت کی نظر سے دیکھا جا رہا ہے، جس میں سب سے بڑی وجہ یہ ہے کہ اب تک پارلیمانی انتخابات میں صرف دو پارٹیوں کو مضبوط امیدوار قرار دیا جاتا تھا، پہلی کانگریس اور دوسری بی جے پی اور یہی دو پارٹیاں حکومت میں آتی رہیں ان کے علاوہ اور بھی پارٹیاں تھیں، مگر ان کی محدود مقبولیت کی وجہ سے کبھی انھیں پارلیمانی انتخابات میں اہمیت نہیں دی گئی، بلکہ وہ خود بخود حاشیہ پر چلی گئیں، مگر جب سے کرشمائی انداز میں "عام آدمی پارٹی" صرف ایک سال میں دہلی میں حکومت سازی میں کامیاب ہوئی، اس کامیابی نے ملکی سطح پر ایک نئے موضوع اور بحث کے دروازے کھول دیے ہیں اور عوام کی تبدیل ہوتی ذہنیت اور بدلتی فکر نے آنے والے دنوں میں سیاسی میدان میں کسی انہونی واقعہ کے اشارے دیے ہیں۔

پارلیمانی انتخابات میں ہر پارٹی خواہ وہ ریاستی اور علاقائی ہو یا پھر ملکی، اپنے امیدوار اتارے گی اور اس طرح ہر پارٹی یہ باور کرانے کی کوشش کرے گی کہ اس بار ان کی پارٹی حکومت بنانے میں کامیاب رہے گی اور بھاری اکثریت سے ستا میں آئے گی، مگر پارٹیوں کی بھرمار، متبادل کی کثرت اور سیاسی اتھل پتھل کو دیکھ کر یہ اندازہ بخوبی لگایا جا سکتا ہے کہ کوئی بھی پارٹی اپنے بل پر اکثریت سے حکومت بنانے کی پوزیشن میں نہیں ہے اور بغیر توڑ جوڑ، تحائف اور الائنس کے کسی کا

بھی حکومت کی کرسی تک پہنچنا تقریباً ناممکن ہے، اب ایسی صورت حال میں ہماری ذمہ داری یہ بنتی ہے کہ ایسی پارٹیوں کی زیادہ سیٹیں نکالنے کی کوشش کریں، حکومت میں جن کی دخل اندازی ہمارے حق میں مفید ثابت ہو، اس کا فائدہ یہ ہوگا کہ وہ پارٹیاں جو ہمارے حق میں غیر مناسب ہیں یا جن کے بارے میں ہم بخوبی جانتے ہیں کہ حکومت میں آنے کے بعد مسلمانوں کو کئی بڑے مسائل کے ساتھ ساتھ چھوٹے چھوٹے مسائل سے دوچار ہونا پڑسکتا ہے اور ان کے جارحانہ تیور کچھ اچھے نتائج کا اشارہ نہیں دے رہے ہیں، ان پارٹیوں کو کوئی قدم اٹھانے سے پہلے کئی بار غور وفکر کرنا ہوگا اور جن پارٹیوں سے الائنس ہوگا ان کی مرضی کا بھی خیال رکھنا پڑے گا، اس اعتبار سے ممکنہ خدشات اور ہمارے حق میں متعصب ذہنیت رکھنے والی پارٹیوں کے متعلق ہمیں کچھ نہ کچھ اطمینان ضرور رہے گا، اب اس کا فیصلہ خود مسلمان کریں کہ کس پارٹی نے ان کے حقوق کا تحفظ کیا اور کون سی پارٹی مستقبل میں انھیں کامل تحفظ فراہم کرسکتی ہے۔

اس سلسلہ میں میرا خود کا مشاہدہ یہ ہے کہ ابھی تک مسلمانوں نے تقریباً ہر پارٹی کو آزما کر دیکھ لیا اور بھاری اکثریت سے انھیں حکومت تک پہنچایا بھی، مگر سب جانتے ہیں کہ مسلمانوں کے مسائل ابھی تک اپنی جگہ ہیں، تعلیم، معاش، اقتصاد اور سماج کے وہ مسائل جن پر کئی دہائی سے توجہ دلانے کی کوشش کی جارہی ہے اور بار بار مطالبہ کیا جارہا ہے وہ جیوں کے تیوں ہیں، اقتدار میں آنے کے بعد کسی پارٹی نے اپنے وعدوں کو نہیں نبھایا، موجودہ پارٹیوں کی اس بے وفائی کا نتیجہ ہے کہ جس سے تنگ آکر راج دھانی دہلی کے باشعور بالغ نظر اور تعلیم یافتہ طبقہ نے عام آدمی پارٹی کو موقع دینا مناسب سمجھا، میں صرف یہ کہ کر اپنی بات ختم کرنا چاہتا ہوں کہ اب ہمیں بھی کچھ نئے فیصلے لینے کی ضرورت ہے اور بے داغ پارٹیوں کو موقع دینا چاہیے اور گٹھ بندھن کی سرکار میں ان کی واضح حصہ داری دلانے کے لیے سوچنا چاہیے، یہ نہ صرف ہماری ذمہ داری ہے، بلکہ ہر اس ہندوستانی کی ذمہ داری ہے جو بدعنوانی اور تعصب کی سیاست سے مادرِ وطن کو آزاد کرانا چاہتا ہے۔

(ص: ۴۴ کا بقیہ).....

یعنی وہ تمام چیزیں جو زمین پر ہیں سب فانی ہیں، بر وقت مختلف صورتوں میں باقی نظر آرہی ہیں مگر سچ مچ باقی رہنے والی ذاتِ پروردگار ہے جو بزرگی وکرامت والی ہے۔ (سب نیست ہیں جو ہست ہے وہ تو ہی ہے)

حضرت مولف قدس سرہ فرماتے ہیں کہ: کتنے تعجب کی بات ہے کہ بغیر ہمارے وجود کے یہ ہمارے افعال، حرکات وسکنات کا صدور کہاں سے ہورہا ہے، یقیناً تیری اس تجلّیِ صفات کے ذریعہ ہمارے اندر ہاتھ، پاؤں کی جنبش و حرکات ہیں۔

واضح رہے کہ درج بالا شعر میں جس امر کا اظہار کیا گیا ہے، یہ اسی عقیدہ ونظریۂ وحدۃ الوجود کے تناظر میں پیش کیا گیا ہے۔

آٹھواں شعر:

بازطرفہ ترکہ جنبش ہائے ما مختار ماست　　　می رسد ہر لحظہ زاں سو پیشِ ما امثالہا

صوفیِ باصفا، شاعرِ بلند رتبہ نے اس سے پہلے والے شعر میں ایک امرِ تعجب خیز کا اظہار کیا تھا۔ اب اس سے زیادہ تعجب خیز بات کا اظہار کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ:

پھر اور زیادہ تعجب خیز بات یہ ہے کہ بغیر ہمارے وجود وافعال کے جب کہ باری تعالیٰ کا ارشاد ہے:

"واللہ خلقکم وما تعملون" یعنی اللہ تعالیٰ ہی نے تم کو پیدا کیا اور ان اعمال وافعال کو جو تم کرتے ہو۔

یعنی اس نے ہمارے لیے افعالِ اختیار یہ ثابت کیے ہیں، پھر ہر لحہ فیضانِ سرمدی کے دریا سے متجدد و متعدّد وجودِ افعال کا فیضان ہوتا رہتا ہے اور ہمارے وجود، ہمارے افعال باقی نظر آتے ہیں، جیسے بہتے دریا کا پانی ایک پانی معلوم ہوتا ہے، اور آفتاب کی کرنیں دائم اور ٹھہری نظر آرہی ہیں۔ حالاں کہ ہر لحظہ جدید پانی اوپر سے بہتا آرہا ہے۔ اور نیچے کی طرف چلا جارہا ہے۔ اور ہر گھڑی نئی دوسری کرنیں آفتاب سے چل کر آرہی ہیں۔ اسی طرح کا معاملہ تمام تعینات میں ہے۔ مگر ہماری نظروں کی کوتاہی کے سبب یہ تجددِ امثال ہمارے ادراک کے احاطہ میں نہیں سماپاتا۔ البتہ خاصانِ خدا اپنے دل کی بینائی سے اس تجددِ امثال کا مشاہدہ کرتے رہتے ہیں۔ ☆☆☆☆

گوشۂ ادب

# دیوان لطیفی اور تصوف

مولانا نصر اللہ رضوی

عظیم مبلغ و محقق حضرت علامہ شاہ محمد حفیظ الدین لطیفی (ولادت ۱۲۴۵ھ/متوفیٰ ۱۳۳۳ھ) بلند پایہ مدرس و مصنف تھے، آپ نے مختلف موضوعات پر ۱۴ر کتابیں لکھیں، وہ ایک عظیم شاعر بھی تھے۔

دیوان لطیفی کے ابتدائی اوراق میں کچھ اشعار ہیں جن کا تعلق حمد باری تعالیٰ سے ہے۔ اگرچہ وہاں حمد باری تعالیٰ یا اس کے مفہوم کی کوئی سرخی نہیں لگی ہے، مگر یہ اشعار حمد ہی سے متعلق ہیں۔

ہم یہاں ذیل میں وہیں سے چند اشعار کے معانی و مطالب بیان کرنے کی کوشش کریں گے۔ یہ اشعار خالص تصوفانہ ہیں اور ان میں تصوف کی اصطلاحات پر فنی گفتگو کی گئی ہے اور صوفیانہ رنگ غالب ہے۔ ان اشعار کے مطالعہ سے حضرت لطیفی کے ذوق صوفیانہ ، رنگِ تصوف اور معیارِ تصوف کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔ اپنی کم علمی اور بے مائگی کے سبب ہم اپنے اندر اس کی ہمت تو نہ پاتے تھے مگر چوں کہ اس سے پہلے عالمِ اسلام کی عبقری شخصیت حضرت سید وجیہ الدین علوی گجراتی کی فنِ تصوف میں معرکۃ الآرا کتاب ”حقیقتِ محمدیہ“ اور اس کی شرح کے ترجمہ، تحشیہ اور تعلیق کے کام کا اتفاق ہو چکا تھا، جس کے سبب اس کی بہت ساری بحثوں سے یک گونہ آشنائی ہو گئی، اس لیے ہم نے اپنی کم مائگی کے باوجود یہاں ان اشعار کی شرح لکھنے کی ہمت باندھی، وہو الموفق۔ جب کہ کتاب پر کسی کے کچھ حواشی بھی تحریر ہیں، جن سے مستفاد یہ مطالب ہوں گے، دیوان لطیفی کے آٹھ اشعار پیش نظر ہیں جن کے مفاہیم بیان کرنے کی کوشش ہوگی۔

کلام کا پہلا شعر ہے۔

اے پنہاں کردۂ درما ظہورِ خویش را
اکنوں عیاں شود ظہورِ خویش پنہاں کن مرا

یعنی اے موجودِ برحق! کہ تو نے تعینات کی صورتوں میں اپنے وجودِ مطلق اور ذات بحت کو مختلف انواع و اشکال میں ہمارے درمیان ظاہر کر کے خود مخفی اور پوشیدہ ہو گیا ہے۔ اب مجھ کو اپنی ذات میں فنا کر کے اپنے ظہور میں مجھ کو پوشیدہ کر لے اور تو خود میرے لیے عیاں ہو جا۔

واضح رہے کہ حق تعالیٰ کی ذات وہ وجودِ خاص ہے کہ جس کی وحدت اور جس کا تعین اس کا عین ہے۔ اس بات پر صوفیہ، حکما اور متکلّمین میں سے شیخ ابوالحسن اشعری کا اتفاق ہے، یعنی یہ سب اس بات پر اتفاق رکھتے ہیں کہ جس طرح حق تعالیٰ کا وجود اس کی ذات کا عین ہے اسی طرح اس کی وحدت اور اس کا تعین بھی اس کا عین وجود ہے، نہ اس کا وجود زائد ہے، ذات پر، نہ اس کی وحدت اور اس کا تعین زائد ہے وجود پر، جیسا کہ ممکنات کا حال ہے۔ (ایضاحِ حقیقت، ص:۵۳)

صوفیۂ کرام وحدۃ الوجود کے قائل ہیں اور اربابِ شہود و عرفان کے یہاں یہ نہایت معرکۃ الآرا مسئلہ ہے۔ امام احمد رضا قدس سرہ سے سوال ہوا کہ: وحدۃ الوجود کے کیا معنیٰ ہیں؟

آپ نے جواب عنایت فرمایا:

وجود ہستی بالذات واجب تعالیٰ کے لیے ہے۔ اس کے سوا جتنی موجودات ہیں اس کی ظن، پرتو ہیں۔ تو حقیقۃً وجود ایک ہی ٹھہرا۔ (الملفوظ)

مندرجہ بالا شعر وحدۃ الوجود کے نظریہ کے پیشِ نظر کہا گیا ہے۔

شعر دوم:

آنچناں فرمائے درمن خویشتن را جلوۂ
کز تن و جانِ فگارم برزماں بینم ترا

یعنی مجھ بے مایہ کے اندر تو اپنی تجلیات کا ایسا جلوہ ڈال دے کہ میں اپنے زخمی جان و تن سے ہر گھڑی تیرے دیدار کی لذت حاصل کرتا رہوں۔

اس شعر کے ذریعہ شاعر نے اپنی آرزوے بلند کو بارگاہ رب العالمین میں پیش کیا ہے اور اپنے تنِ نیم جاں کے لیے درماں طلب کیا ہے۔

تیسرا شعر:

چشم و گوش و دست و پایم را کہ جملہ آن تست
حالِ بے یمشی و یبطش یسمع و یبصر نما

حدیث شریف میں آیا کہ:

لَا یَزَالُ عَبْدِیْ یَتَقَرَّبُ اِلَیَّ بِالنَّوَافِلِ حَتّٰی اُحِبَّہٗ فَاِذَا اَحْبَبْتُہٗ ، کُنْتُ سَمْعَہُ الَّذِیْ یَسْمَعُ بِہٖ وَ بَصَرَہُ الَّذِیْ یُبْصِرُ بِہٖ وَ یَدَہُ الَّتِیْ یبطش بھا و رِجْلَہُ الَّتِیْ یَمْشِیْ بِھَا. الخ

یعنی میرا بندہ نوافل کے ذریعہ میرا قرب حاصل کرتا رہتا ہے، یہاں تک کہ میں اس کو محبوب بنالیتا ہوں، پھر جس وقت میں اسے محبوب بنالیتا ہوں تو میں اس کے کان ہو جاتا ہوں، جس سے وہ سنتا ہے اور اس کی آنکھ ہو جاتا ہوں جس سے وہ دیکھتا ہے۔ اور اس کے ہاتھ ہو جاتا ہوں جس سے وہ پکڑتا ہے، اور اس کے پیر ہو جاتا ہوں جس سے وہ چلتا ہے۔

یہ کرم و عطائے الٰہی ہے تو درج بالا شعر کا مطلب یہ ہوا کہ میرے سارے اعضا تیری مِلک ہیں، تو مجھ کو یہ حالت عطا کر کہ تو میرے کان ہو جا کہ میں اس سے سنوں، میری آنکھ ہو جا کہ میں اس سے دور و نزدیک، روشنی و تاریکی میں ظاہر و باطن، پوشیدہ اور کھلی چیزوں کو دیکھ سکوں، اور میرے ہاتھ ہو جا کہ میں اسی کیفیت کے ساتھ پکڑ سکوں، اور اے خدا! تو میرے قدم ہو جا تاکہ میں اس سے اسی طرح چل سکوں۔ حاصل یہ کہ اے بارِ الٰہا! اے میرے مولا! تو مجھے اپنی صفاتِ کمال کا مظہرِ اتم بنادے۔

واضح ہو کہ اس مرتبہ میں حق سبحانہ بمنزلۂ آلہ ہے، اور بندہ فاعل و مدرک، اور اس قرب کو قربِ نوافل کہتے ہیں۔

مروی ہے کہ اعمال و عبادات جو نوافل کی قبیل سے ہیں، حق جل و علا نے اپنے بندوں پر ان کو واجب نہیں کیا ہے۔ بلکہ بندے اس کی بارگاہ میں تقرب کی خاطر ان کو عمل میں لائے ہیں اور ان کو اپنے اوپر لازم کرلیا ہے۔ اور چوں کہ اس ارتکاب و التزام میں ان کا وجود بیچ میں ہے، اس لیے ان سے فنائے ذات اور جہتِ حقیقت میں جہتِ خلقیت کے استہلاک کا فائدہ رونما نہیں ہوتا۔ بلکہ اس کا نتیجہ یہی ہوتا ہے کہ بندے کے قویٰ اور اعضا و جوارح عینِ حق ہو جاتے ہیں، بایں معنٰی کہ جہتِ حقیقت، جہتِ خلقیت پر غالب آکر مقہور و مغلوب بنادیتی ہے۔

لہٰذا ناچار بندۂ سالک فاعل و مدرک ہوتا ہے اور حق سبحانہ اس کا آلہ، یہ معنٰی اربابِ مشاہدہ و عرفان کے نزدیک ہے۔ لیکن اصحابِ مجاہدہ اور اہلِ علم کے نزدیک تکمیلِ حوائج میں تیزی مراد ہے۔

(ایضاحِ حقیقت، ملخصًا، ص:۱۳۱)

نوٹ: مزید تفصیلات کے لیے ہماری کتاب ایضاحِ حقیقت کا مطالعہ کیا جائے۔

چوتھا شعر:

دیدنِ غیر تو چوں شرک ست و ذنبِ اعظم است
پس زبیشِ چشمِ من بردار شکلِ ماسوا

چوں کہ تمام موجودات من حیث الوجود عین حق سبحانہ و تعالیٰ ہے، اور غیریت اعتباری شے ہے، لہٰذا جس چیز کو من کل الوجوہ غیر حق سمجھنا شرک و گناہ عظیم ہے۔ ایسی شکل ما سوائے ذات کو میری نگاہوں کے سامنے سے اٹھالے۔ اور دور کردے کہ میں دیکھ نہ سکوں اور ابتلائے گناہ سے محفوظ رہ سکوں۔

پانچواں شعر:

فرق بینِ ظاہر و مظہر کہ در چشمِ من است
زیں دو دیدن نیز چشمم پاک فرمائے شہا

ظاہر و مظہر کے درمیان فرق جو کہ میری نگاہوں میں ہے، ملکا، بادشاہا! میری آنکھ کو ان کو دو دیکھنے سے پاک فرما، تاکہ میں ان کو دو نہ سمجھ سکوں اور ہر ایک میں عینیت کا اعتقاد متزلزل نہ ہو سکے۔

(نوٹ: عینیت اور غیرت کی یہ بحث صوفیہ، متکلمین اور اصولیین کے نزدیک ایک معرکۃ الآرا بحث ہے)

چھٹا شعر:

جنگ ہا در رنگ ہائے خویش برپا کردۂ
اے فدایت جانِ من از رنگ ہایم کن رہا

یعنی متعدد رنگوں میں مختلف تعینات کے ساتھ تو نے ظہور فرمایا ہے جن کے سبب بے شمار جنگ، فتنے، اختلافات واقع ہیں۔ اے خدا! میری جان تجھ پر قربان! کہ ان رنگوں سے جدا کر کے ذاتِ بحت اور وجودِ مطلق کی جانب جو ہر طرح کے رنگ سے خالی ہے، مجھ راہ دکھا! اور معرفتِ ذات کے ذوق سے آشنا بنادے۔

ساتواں شعر:

اے عجب بے بود ما ایں جنبش از ما از کجاست
ہاں فروغ تست در ما جنبشِ ایں دست و پا

یعنی چوں کہ اصلِ وجود حق تعالیٰ کا وجود ہے، کیوں کہ "کل من علیھا فان و یبقٰی وجہ ربک ذی الجلال والاکرام۔" (باقی، ص:۴۲ پر)

# نقد و نظر

| | | |
|---|---|---|
| نام کتاب | : | انوارِ امامِ اعظم (مجلہ یادگارِ ایوبی کا تیسرا خصوصی شمارہ) |
| مرتبین | : | مفتی محمد نظام الدین رضوی مصباحی<br>نفیس احمد قادری مصباحی<br>اختر حسین فیضی مصباحی |
| مدیر | : | شاہ محمد سبطین رضا قادری ایوبی |
| اشاعت | : | جمادی الاولیٰ ۱۴۳۴ھ/مارچ ۲۰۱۳ء |
| صفحات | : | ۸۶۵ |
| ناشر | : | مکتبہ ایوبیہ، خانقاہ قادریہ ایوبیہ، رضانگر، پپرا کنک، ضلع کشی نگر (یوپی) |
| مبصر | : | محمد طفیل احمد مصباحی |

امام الائمہ، سراج الامۃ حضرت امام اعظم ابو حنیفہ نعمان بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ (متوفی ۱۵۰ھ) اسلامی تاریخ کی اس مایۂ ناز ہستی اور علمی دنیا کی اس فقید المثال عبقری شخصیت کا نام ہے جس پر علم و حکمت اور تدبر و تفقہ کی ہزاروں انجمنیں قربان ہیں۔ آپ مجلسِ علم و فن کے صدر نشیں، بحرِ شریعت و معرفت کے غوّاص اور صحیح معنوں میں "امامِ اعظم" تھے۔ حضرت امام شافعی علیہ الرحمہ نے آپ کی ہمہ گیر اور تہ دار فکر و شخصیت کا جامع تعارف صرف ایک جملے میں اس طرح کرایا ہے:

الناس فی الفقه عيال ابی حنيفة.

امامِ اعظم ابو حنیفہ جیسا ذہین و فطین، اخّاذ و طبّاع اور فقہ و فتویٰ کا رمز شناس انسان آج تک پیدا نہ ہو سکا۔ امام شافعی جیسے جلیل القدر صاحبِ مذہب امام، آپ کے شاگرد (امام محمد) کے شاگرد ہیں۔ بخاری شریف کے مایۂ ناز مصنف حضرت امام محمد بن اسماعیل بخاری چھ واسطوں سے امام اعظم کے شاگرد ہیں۔ جب شاگرد کے علمی مقام کا یہ عالم ہے تو پھر استاذ کے علمی مقام و مرتبہ کا عالم کیا ہوگا؟ بڑے بڑے ائمہ و محدثین آپ کے خوانِ علم کے خوشہ چیں اور آپ کے سلسلۂ تلمذ سے وابستہ ہیں۔

خلافتِ راشدہ کے بعد مسلمانوں کے درمیان جو اختلافات رونما ہوئے اور ان کے نتیجے میں جو چار بڑے فرقے وجود میں آئے تو اس وقت امتِ مسلمہ میں عقائد اور اصول دین کے معاملے میں کافی حد تک تزلزل بھی برپا ہوا۔ ایسے سنگین حالات میں امامِ اعظم ابو حنیفہ پہلے وہ شخص ہیں جنھوں نے "الفقه الأكبر" لکھ کر عقائد اہلِ سنت کی حفاظت فرمائی۔ اس اعتبار سے "الفقہ الاکبر" علم کلام کا "نقشِ اول" اور امامِ اعظم اس فن کے بانی و موجد۔ تفسیر و حدیث، فقہ و اصول اور دیگر علوم و فنون میں بھی آپ کو بہت سارے امتیازات و ترجیحات حاصل ہیں اور ہر اعتبار سے آپ کی امامت مسلم ہے مگر افسوس اس کثیر الجہات شخصیت کی حیات و خدمات پر قابلِ ذکر اور خاطر خواہ کام نہیں ہوا اور آپ کی ذات تحقیق و ریسرچ کا موضوع نہیں بن سکی۔ سچ پوچھیے تو امام اعظم ابو حنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اسلامی تاریخ کی ایک "مظلوم شخصیت" ہیں۔ مسلکی اختلاف رکھنے والے علما نے تعصب سے کام لیتے ہوئے امام اعظم پر طرح طرح کے الزامات لگائے اور اپنوں نے آپ کی فکر و شخصیت اور سیرت و سوانح مرتب کرنے کی جانب زیادہ توجہ نہیں دی، جس کے باعث آپ کی "صد رنگ حیات" کے بیش تر گوشوں سے دنیا کما حقہ واقف نہ ہو سکی۔

الحمد للہ! ہمارے علمائے کرام نے اس ضرورت کو محسوس کرتے ہوئے اس جانب پیش قدمی شروع کر دی ہے۔ زیر تبصرہ کتاب اسی سلسلۃ الذہب کی ایک خوب صورت کڑی ہے۔ ۸۵۶/صفحات پر مشتمل یہ کتاب بنام "انوارِ امامِ اعظم" مجلہ یادگار ایوبی، رضانگر، پپرا کنک، ضلع کشی نگر کا تیسرا خصوصی شمارہ اور "امام اعظم سیمینار" ممبئی کے مقالات کا ایک وقیع مجموعہ ہے۔ حضرت امام اعظم ابو حنیفہ کی حیات و خدمات پر اردو زبان میں اتنی ضخیم اور وقیع کتاب شاید پہلی بار منظرِ عام پر آئی ہے۔

کتاب کے مشمولات و مندرجات دیکھ کر مرتبین کی دقّتِ نظر اور مضمون نگار حضرات کی محنت و جاں فشانی کا بخوبی اندازہ ہوتا ہے۔ تبرکات، پیغامات اور ابتدائیہ کے علاوہ پوری کتاب ۸/ ابواب پر مشتمل ہے جو حسب ذیل ہیں:

باب اول: نقوشِ حیات۔ باب دوم: شیوخ و اساتذہ۔ باب سوم: اوصاف و کمالات۔ باب چہارم: افکار اور کارنامے۔ باب پنجم: امام اعظم اور علمِ حدیث۔ باب ششم: فقہ حنفی۔ باب ہفتم: متفرقات۔ باب ہشتم: منظومات۔

یوں تو پوری کتاب قابلِ قدر اور معلومات سے لبریز ہے، مگر خصوصیت کے ساتھ پانچواں اور چھٹا باب کافی اہم، کتاب کی شان اور مجموعے کی جان ہے۔ باب اول کا مضمون اول شارح بخاری حضرت مفتی محمد شریف الحق امجدی علیہ الرحمہ کا ہے، جو امامِ اعظم کی حیات و خدمات پر مشتمل ہے اور کمیت و کیفیت کے اعتبار سے اولیت کا مستحق ہے۔ دوسرا اور تیسرا مضمون مشہور قلم کار مولانا اختر حسین فیضی مصباحی کے قلمِ سیال اور تراوشِ فکر کا نتیجہ ہے جس میں حیاتِ امامِ اعظم کے چند گوشے اور آپ کے عہد کا علمی و سیاسی منظر نامہ بڑے خوب صورت انداز میں پیش کیا گیا ہے۔

"قصیدہ نعمانیہ" حضرت امام اعظم ابو حنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا نہایت مبارک و متبرک قصیدہ ہے اور اہلِ علم کے درمیان بڑی شہرت و مقبولیت کا درجہ رکھتا ہے۔ قصیدے کی سطر سطر سے عشقِ رسالت کی خوشبو پھوٹتی ہے اور اس کا لفظ لفظ بربطِ دل پر محبتِ رسول کا ساز چھیڑتا ہے۔ قصیدے کی ایک خصوصیت یہ بھی ہے کہ اس میں نبیِ اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی تعریف و توصیف کے ساتھ "عقائدِ اہلِ سنت" کی بھرپور ترجمانی ہے۔

حضرت مولانا نفیس احمد مصباحی دام ظلہ العالی نے اپنے نفیس قلم سے قصیدے کا بڑا عمدہ، سلیس اور رواں دواں ترجمہ فرمایا ہے اور یہ سلیس ترجمہ کتاب کی زینت بنا ہے۔ اس کے علاوہ مولانا نفیس احمد مصباحی کا مضمون "امامِ اعظم کی مجلسِ تدوینِ فقہ" بھی خاصی اہمیت کا حامل اور معلوماتی ہے۔ قصیدے کی طرح امام موصوف کے "وصایا مبارکہ" بھی کافی اہم اور معنیٰ خیز ہیں۔ مولانا توفیق احسن برکاتی مصباحی نے ان وصایا کا تجزیاتی مطالعہ پیش کیا ہے۔ وصایا امامِ اعظم کی عصری معنویت مسلم ہے۔ حاکم اور عوام کے ساتھ محتاط طرزِ عمل، ازدواجی زندگی کے آداب، سیرت و کردار کی تعمیر، آدابِ زندگی، معاشرتی آداب، اخلاقِ حسنہ کے دنیوی و اخروی فوائد اور دعوت و تبلیغ کے اصول و مبادی وغیرہ وصایا کے قابلِ ذکر اور لائقِ عمل اجزا ہیں۔ مضمون نگار کے اس قول سے راقم الحروف کو بھرپور اتفاق ہے کہ "یہ وصایا اس لائق ہیں کہ انھیں حرزِ جاں بنایا جائے اور دنیا و آخرت کی ہر طرح کی کامیابیاں و سرفرازیاں حاصل کی جائیں۔" (زیرِ تبصرہ کتاب، ص:۳۶۸)

حضرت مولانا صدر الوریٰ قادری مصباحی کا ۲۵؍ صفحات پر مشتمل مضمون "امامِ اعظم اور دیگر ائمہ کے فقہی اصول اور ان کے مآخذ" ہر اعتبار سے ایک کامیاب اور پُر از معلومات مضمون ہے۔

"حاجز البحرین الواقی عن جمع الصلاتین" اعلیٰ حضرت امام احمد رضا محدث بریلوی قدس سرہ کا مشہور علمی رسالہ ہے جس میں دلائل و براہین کے ساتھ جمع بین الصلاتین وقتی (یعنی ایک ہی وقت میں دو نمازیں ملا کر پڑھنا) کو ناجائز لکھا گیا ہے۔ عمدۃ المحققین حضرت علامہ محمد احمد مصباحی دامت برکاتہم القدسیہ نے اسی رسالے کو تلخیص اور اختصار و التقاط کے ساتھ اپنے مضمون "جمع بین الصلاتین: کتاب و سنت کی روشنی میں" بیان کیا ہے۔ اس کی حیثیت مضمون سے زیادہ علمی و تحقیقی مقالہ کی ہے۔

سراج الفقہا حضرت علامہ مفتی محمد نظام الدین رضوی برکاتی ادام اللہ ظلہٗ علینا کے دو گراں قدر تحقیقی اور عالمانہ و محققانہ تفصیلی مضمون زینتِ کتاب ہیں۔ ایک "فقہ حنفی کا مطالعہ: کتاب و سنت کی روشنی میں" اور دوسرا "فقہ حنفی میں عرف و تعامل کا مقام"۔ بلا مبالغہ ان دونوں مضامین کا مطالعہ کر کے کوئی بھی انصاف پسند پکار اٹھے گا کہ حضرت مفتی محمد نظام الدین رضوی واقعی اس دور کے "سراج الفقہا" ہیں اور مفتیانِ اہلِ سنت کے درمیان امتیازی حیثیت کے مالک ہیں جن کے دَم قدم سے بزمِ فقہ و افتا میں آج بھی اجالا پھیلا ہوا ہے۔ اللہ تعالیٰ آپ کو صحت و سلامتی کے ساتھ رکھے۔ آمین۔

کتاب کے دیگر مضامین و مقالات بھی حد درجہ وقیع ہیں۔ ہر ایک پر تبصرہ یہاں ممکن نہیں، اصل کتاب کی جانب رجوع کریں اور اپنی معلومات میں اضافہ کریں۔ مجموعی طور پر کتاب ظاہری و معنوی خوبیوں سے آراستہ ہے، بعض مقامات پر کچھ پروف کی غلطیاں بھی نظر آئیں، مگر اتنے عظیم مجموعے میں ان قلیل غلطیوں کے وجود سے اس کی علمی و فنی حیثیت متاثر نہیں ہوتی۔

کسی دانش ور کا قول ہے کہ "جب کوئی کتاب منظرِ عام پر آتی ہے تو ایک چراغ روشن ہو جاتا ہے" اور مادی چراغ تو بجھ بھی جاتا ہے لیکن یہ روحانی چراغ (کتاب) وقت کے طوفانوں اور امتدادِ زمانہ کی آندھیوں میں بھی روشن رہتا ہے اور اپنے وجود کا احساس دلاتا ہے، خونِ جگر دے کر جن حضرات نے یہ چراغ روشن کیا ہے، وہ یقیناً لائقِ تعریف و تحسین ہیں۔ قابلِ مبارک باد ہیں جناب شاہ سبطین رضا قادری ایوبی جن کی نگرانی میں یہ ضخیم مجموعہ منظرِ عام پر آیا ہے۔ اللہ تبارک و تعالیٰ ان تمام حضرات کو دارین کی سعادتوں سے مالا مال فرمائے۔ آمین

☆☆☆☆☆

# منظومات

## نعت شریف

سارے نبیوں میں اعلیٰ ہمارا نبی
سب کی آنکھوں کا تارا ہمارا نبی
بادشاہوں کا آقا ہمارا نبی
دونوں عالم کا داتا ہمارا نبی
سب حسینوں سے بڑھ کر حسین وجمیل
سارے اچھوں میں اچھا ہمارا نبی
ایسا کوئی بھی مولا کا پیارا نہیں
جیسا مولا کا پیارا ہمارا نبی
خلق میں جس کی ملتی نہیں کچھ مثال
وہ ہے عالم میں یکتا ہمارا نبی
جس کی مرضی پہ رہتا ہے راضی خدا
رب کا محبوب وہ ہے ہمارا نبی
جس کے قدموں کو بوسہ دیا عرش نے
ہے وہی شان والا ہمارا نبی
جس سے ہوتا ہے سیراب سارا جہاں
وہ ہے بخشش کا دریا ہمارا نبی
ایسا کوئی نہ چمکا نہ چمکے گا اب
جیسا عالم میں چمکا ہمارا نبی
عالمِ بے کسی میں ہے تحسینؔ بس
غمزدوں کا سہارا ہمارا نبی

**..محمد تحسین عالم رضوی، بھاگل پور**

## نعتیہ قطعات

عظمتِ بندگی کی بات کریں
مقصدِ زندگی کی بات کریں
جو مدینے سے ہر طرف پھیلی
آؤ اس روشنی کی بات کریں

سنسار ضروری نہیں سرکار کی خاطر
سرکار ضروری ہوئے سنسار کی خاطر
اُن کا ہی وسیلہ ہے ہیں دونوں جہاں میں
سرکار ہیں ہر مقصدِ دُشوار کی خاطر

حبِ احمد ہی جانِ ایماں ہے
یہ سمجھنا بھی کتنا آساں ہے
بات رب کی، زبان اُن کی ہے
اِس طرح سے ظہورِ قرآں ہے

فضلِ رب کی بہار ہے اِس میں
بندگی آشکار ہے اِس میں
خاکِ پائے حضور ہو جاؤ
سب سے بہتر وقار ہے اِس میں

جو غلامِ حضور ہوتا ہے
نارِ دوزخ سے دور ہوتا ہے
اور دنیا میں اُس کی نسبت سے
برکتوں کا ظہور ہوتا ہے

**...حافظ محمد خلیل چشتی، مبارک پور**

## نعت شریف

زندگی کا کیا تصور رنج و راحت کے بغیر
ہے مگر بے عشق نورِ حق حلاوت کے بغیر

عاشقی کیا جلوہ گر ہو گر نہ عشقِ عبدہٗ
کیا عبودیت بھلا حق کی عبادت کے بغیر

اسوۂ قرآن ناطق ہے صراطِ مستقیم
ڈھونڈ مت یہ راستہ اُن کی اطاعت کے بغیر

ہو کے محبوب خدا کا لے لے آقا کی رضا
ورنہ رہ جائے گا کل اُن کی شفاعت کے بغیر

کفر کا غیظ و غضب، نوخیز دیں، لب پر دعا
کام یہ آساں نہ تھا رب کی اعانت کے بغیر

بے رضائے حق نہ اٹھا آپ کا کوئی قدم
کچھ نہ آیا لب تلک وحی و اجازت کے بغیر

ایک قرآں، ایک کعبہ، اک خدا اور اک رسول
پھر بھی ہیں توحید والے اک جماعت کے بغیر

کاش عرش در ہو، شمسیؔ ہو، شبِ معراج ہو
یا نبی! کیا آپ کی چشمِ عنایت کے بغیر

**..........شمسی قریشی، جلال پور**

# صدائے بازگشت

## علمائے دین کی سیرت وسوانح قلم بند کرنا ایک عظیم کارنامہ

مکرمی............................ سلام مسنون

اس وقت ماہنامہ اشرفیہ جنوری ۲۰۱۴ء کا شمارہ مطالعہ کی میز پر ہے۔ ٹائٹل پیج پر اشرفیہ کی حمایت میں سید العلما حضرت سید آل مصطفیٰ مارہروی علیہ الرحمہ کے پر جوش بیان اور حوصلہ آمیز کلمات کو اس شمارہ کی جان کہا جا سکتا ہے ساتھ ہی اعلیٰ حضرت کا خوشنما گنبد قلب و نظر کو سرور بخش رہا ہے۔

نومبر ۲۰۱۳ میں اہل سنت کی کئی عظیم ہستیاں ہمارے درمیان سے رخصت ہو گئیں۔ اداراتی صفحات میں ان کی دینی و علمی خدمات کے حوالے سے آپ کی جامع و مفصل تحریریں برابر پڑھنے کو مل رہی ہیں۔ زیر مطالعہ شمارہ کا اداریہ بھی عالمی شہرت یافتہ شاعر وصحافی، سلسلہ برکاتیہ مارہرہ شریف کی اہم کڑی آل رسول حضرت سید نظمی میاں قادری برکاتی اور عظیم مترجم ومحشی حضرت علامہ نصر اللہ رضوی مصباحی علیہما الرحمہ کی حیات وخدمات پر مشتمل ہے۔ علمائے دین کی سیرت وسوانح قلم بند کرنا اور ان کے روشن کارناموں سے نئی نسل کو متعارف کرانا یقیناً بہت بڑا کارنامہ ہے۔

مغربی تہذیب اور حیرت انگیز سائنسی ترقیات نے جہاں عام انسانی زندگی پر منفی اثر ڈالا ہے وہیں عصر حاضر کے بعض علما وطلبہ بھی اس سے متاثر ہوتے ہوئے نظر آ رہے ہیں۔ اس تعلق سے مولانا محمد عابد چشتی نے طلبۂ مدارس کے ذہن و فکر کو جھنجھوڑتے ہوئے انہیں ان کا منصب یاد دلایا ہے۔ یہ بات یاد رکھنے کی ہے کہ اسلام کے خلاف یہود و نصاریٰ کی فکری اور تہذیبی جنگ صدیوں سے جاری ہے یہ جنگ اسلامی قدروں پر عمل کر کے ہی جیتی جا سکتی ہے بحیثیت داعی و مبلغ علمائے کرام وطلبۂ دین پر دوہری ذمہ داری عائد ہوتی ہے کہ ہم دین کی تبلیغ قول کے ساتھ ساتھ عمل سے بھی کریں۔
"جدید دنیا کے مسائل اور تصوف" عنوان پر مولانا محمد عارف حسین مصباحی اور محترمہ آفرین مبینہ کا تحریری مباحثہ بہت خوب ہے۔ تصوف نفس کشی کی تعلیم دیتا ہے لیکن موجودہ وقت میں خانقاہوں کے سجادہ نشین (الا ماشاء اللہ) اپنی سجادگی برقرار رکھنے کے لیے خودکشی تو کر سکتے ہیں لیکن نفس کشی پر آمادہ ہونا بہت مشکل ہے ایسی صورت میں خانقاہوں کے مقصد تاسیس کی عملی تجدید کیسے ممکن ہو سکتی ہے؟

مولانا محمد ناصر مصباحی نے اپنے مضمون میں مودی کی مسلم دشمنی کو اجاگر کرتے ہوئے نام نہاد مسلم قائدین کی سیاسی سوچ پر بھی قدغن لگایا ہے ساتھ ہی ساتھ حق رائے دہی کے سلسلے میں ملت اسلامیہ کو مفید مشورے بھی دیے ہیں رواں سال میں چند ماہ بعد پارلیمانی انتخابات ہونے والے ہیں اس لیے مسلمانوں کی سیاسی رہنمائی ضروری ہے۔ میرے خیال سے کم از کم صوبائی سطح پر سنی بریلوی مسلمانوں کا الگ سیاسی ایجنڈا ہونا چاہیے پھر جو پارٹی ان مطالبات کو پورا کرنے کی یقین دہانی کرائے مسلمان اسی کی حمایت میں ووٹ دیں۔ اس حکمت عملی سے سیاسی پارٹیوں کو مسلمانان اہل سنت کی طاقت کا بھرپور احساس ہوگا اور اقتدار میں آنے کے بعد ہمارے مسائل بھی ترجیحی بنیادوں پر حل ہوں گے۔ اعلیٰ حضرت امام احمد رضا محدث بریلوی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی تحریر و تحقیق سے آشنا کرنے کے لیے۔ "مسلک اعلیٰ حضرت کے چند مفید اسباق" کے عنوان سے نیا کالم شروع ہوا ہے۔ یہ ایک عمدہ پیش رفت ہے۔ تعلیمات رضا کی ترویج واشاعت کا یہ بہت ہی عمدہ طریقہ ہے، خدا کرے یہ سلسلہ جاری رہے۔

والسلام خیر اندیش	محمد عرفان قادری

استاذ: مدرسہ حنفیہ ضیاء القرآن شاہی مسجد بڑا چاند گنج لکھنؤ

## نشتر جو لگاتا ہے وہ دشمن نہیں ہوتا

مکرمی............................ سلام مسنون

آج میں عبقری الشرق سیدنا امام احمد رضا محدث بریلوی کے ممتاز معاصر و رفیق کار یعنی پردادا حضور صاحبِ تصانیفِ جلیلہ وحاملِ محاسنِ کثیرہ قدوۃ العلماء زبدۃ الفضلا حضرت علامہ مولانا شاہ حفیظ الدین لطیفیؔ برہانی قدس سرہ النورانی (ولادت ۱۲۴۵ھ/وصال ۱۳۳۳ھ) کی علمی و روحانی یادگار مدرسہ خانقاہ لطیفیہ رحمٰن پور تکیہ شریف، بارسوئی کٹیہار بہار کے سنہرے لیٹر پیڈ پر اپنے داغِ دل و زخمِ جگر کو دکھلانے آیا ہوں۔ آج میری آنکھیں خون کے آنسو بہا رہی ہیں، جبیں بھی شکن آلودہ ہے، زبان بھی گنگ ہے، آبادی میں ایسا شور و غوغا ہے کہ کان پڑی آواز سنائی نہیں دیتی، پورا وجود کرچیوں کی طرح بکھر کر رہ گیا ہے، فقط ایک ضمیر ہے کہ جو زندہ و سلامت ہے، ایک روح ہے کہ جو توانا و تندرست ہے، ایک احساس ہے کہ جو جاگ رہا ہے، ایک جذبہ ہے کہ جو موجیں مار رہا ہے۔

کون نہیں جانتا کہ اصحابِ صفہ کا مقامِ صفہ ہی در اصل ہر عہد میں مروجہ مدارسِ اسلامیہ کا معنوی اساس رہا ہے اور اسے ہی سنگ میل قرار دیا گیا ہے۔ شہیر عرب و عجم عارف باللہ حضرت علامہ عبد الرحمٰن جامی قدس سرہ السامی نے جذب و شوق میں یوں ہی نہیں فرما دیا تھا۔

جہاں روشن است از جمالِ محمد	دلم تازہ گشت از وصالِ محمد
خوشا مسجد و مدرسہ، خانقاہے	کہ در وے بود قیل و قالِ محمد

معلوم ہوا کہ اسلامیانِ عالم کے لیے مدارسِ دینیہ کا وجود ہر دور میں واجب الاحترام اور تقدس مآب رہا ہے اور ان کی حفاظت وصیانت اور تعمیر و ترقی ہر زمانہ میں ہر فرد مسلم کے لیے مذہبی و ملی تقاضا نیز رحمت و برکت،

فیض وسعادت کا سبب رہی ہے۔

آج اگر کہیں اور کسی مقام پر کوئی کسی دینی وعلمی ادارے وہ بھی بحمدہٖ تعالیٰ عالم گیر شہرت یافتہ ملی وجماعتی ادارے کو اپنے ہوس بے جا اور بغض وعناد کے ہتھے چڑھانا چاہتا ہے وہ بھی کوئی ایرے غیرے نتھو خیرے نہیں، بلکہ اپنی جماعت اہلِ سنت کا وہ حامل جبہ ودستار اور مالک کلاہ صد افتخار کہ ماضی قریب میں جن کے آگے اہلِ سنن سجودِ نیاز لٹایا کرتے تھے اور نسبتوں کا خیال کرتے ہوئے گل ہائے عقیدت نچھاور کرنے میں کوئی دریغ محسوس نہیں کیا کرتے تھے۔

صد حیف! آج وہی اور صرف وہی فقط اپنی ذاتی مخاصمت، رنجش، عناد اور انانیت ونفسانیت کی تسکین کی خاطر اپنے چند حوالی موالی کے بل بوتے پر کیل، کانٹوں سے مکمل لیس ہو کر پوری منصوبہ بندی کے ساتھ اُسی عالمی شہرت یافتہ علمی ودینی مرکز یعنی مادر علمی "الجامعۃ الاشرفیہ" مبارک پور کے خلاف محاذ قائم کر کے غیر مناسب طور پر ملک وبیرون ملک کے طول وعرض میں سادہ لوح مسلمانوں اور بھولے بھالے سنیوں کے اذہان وقلوب کو پراگندہ کرنے میں جان وتن سے مصروف ہیں اور سنی برادری میں عجب اختلاف وافتراق، انتشار وخلفشار مچانے کی مذموم سعی کر رہے ہیں۔

اگر جان کی امان پاؤں اور دعاے بد سے مبرا سمجھا جاؤں تو دو ٹوک لفظوں میں عرض کروں کہ آں جناب بھی تو اسی الجامعۃ الاشرفیہ کے خوشہ چیں وپروردہ ہیں، فیض یافتہ ہیں، سند یافتہ ہیں، یہی نہیں بلکہ ایک مدتِ دراز تک باں فضل وکمال اور جاہ وجلال اسے ادارے میں معلمی کے پیشے سے وابستہ بھی رہے ہیں۔

مجھ کو ان سے وفا کی تھی امید  جو نہیں جانتے وفا کیا ہے

آخر کیا بات ہے کہ کچھ برسوں قبل اشرفیہ کے تعلق سے راتوں رات اچانک حیرت انگیز طور پر آپ کے نقطۂ نظر میں تبدیلی واقع ہوئی، آپ کے نظریات نے کینچلی بدلی اور پھر آپ لنگوٹ باندھ کر علمِ بغاوت لیے میدان میں کود پڑے۔ اس وقت نہ تو آپ نے ملت وجماعت کے شیرازے کا خیال کیا، نہ ہی یادگارِ اسلاف کی حرمت وتقدس کا پاس رکھا، اور نہ ہی مادرِ علمی کی نمک خواری واحسانات کی پرواکی۔

آخر کیا وجہ ہے کہ اشرفیہ سے جب تک آپ کا رشتہ خوشگوار رہا تو آپ کی دور بیں نگاہ میں یہی الجامعۃ الاشرفیہ اہلِ سنت وجماعت کا علمی وفکری مرکز تھا، مسلکِ اعلیٰ حضرت کا ناقابلِ تسخیر قلعہ تھا، رضویات پر کام کرنے کا ایک معظم کارخانہ تھا۔ اب کون سی بات ہو گئی کہ اب آپ کے نادر شاہی فرامین میں اشرفیہ کے تعلق سے یہ عبارتیں درج ہیں "الجامعۃ الاشرفیہ صلح کلیت کا اڈہ ہے، فرزندانِ اشرفیہ صلح کلیت کی دعوت دیتے ہیں، وہاں کے سیمیناروں کے اندر فتاویٰ رضویہ میں موجود متفقہ ومفتیٰ بہ مسائل وامورِ شریعت سے دانستہ طور پر بغاوت کی جاتی ہے، اشرفیہ کا مکمل وجود، اس کے فارغین، اس کے منسلکین راہِ مستقیم سے بھٹکے ہوئے ہیں اور مسلکِ اعلیٰ حضرت سے منحرف ہیں۔" نعوذ باللہ تعالیٰ من ھٰؤُلٓئِكَ

خرد کا نام جنوں رکھ دیا، جنوں کا خرد - جو چاہے آپ کا حسن کرشمہ ساز کرے

آپ اور آپ کے ہوا خواہوں کی یاوہ گوئی اور اول فول بکنے کا تسلسل زیادہ دنوں تک قابلِ برداشت نہ سمجھا جائے گا۔

کیا آپ اور آپ کی کمپنی اس ناقابلِ تردید حقیقت سے واقف نہیں ہے کہ الجامعۃ الاشرفیہ مبارک پور، محمد آباد، خیر آباد، گھوسی کے کسی پاور لوم کا نام نہیں ہے، بلکہ یہ عالمی وآفاقی ادارہ اپنے عظیم تاریخی سفر اور ملکی وبین الاقوامی سطح پر اپنی تاریخ ساز وبے مثال علمی وفکری، دعوتی واشاعتی، تحریکی وتنظیمی خدمات ومساعی کے حوالے سے جہانِ فکر وفن کی مکمل کتاب کا نام ہے۔ اشرفیہ ہمارے دلوں کی دھڑکن کا نام ہے۔ اشرفیہ ہمارے گرامی قدر مخدوموں کی روشن نشانی کا نام ہے، اشرفیہ ہندی سنی مسلمانوں کی امیدوں کے مرکز کا نام ہے۔

جناب والا! کیا آپ نے کبھی اشرفیہ کی بلندی کا اندازہ کیا ہے؟ کیا آپ نے اس کے سربکف وفاداروں کی کبھی گنتی بھی کی ہے؟ کیا آپ نے اس کے نام پر مٹنے والوں کی تعداد کا کبھی جائزہ بھی لیا ہے۔ شاید نہیں، بلکہ ہرگز ہرگز نہیں۔ تو پھر ایسی صورتِ حال میں آپ اپنی پیرانہ سالی کا خیال رکھتے ہوئے اور اس پر رحم کھاتے ہوئے گوشہ نشیں ہو جائیں، اللہ اللہ کریں اور اوراد ووظائف سے لو لگا کر اپنے اصلاحِ باطن وصفاے قلب پر خصوصی توجہ مبذول فرمائیں۔ عمر کے اس پڑاؤ پر کم ظرفی، تنگ دلی اور بغض وعناد کا ثبوت نہ دیں، کسی ادارہ، کسی انجمن، کسی تنظیم وتحریک کو خواہ مخواہ دِق نہ کریں۔ اخیر میں عالی جناب جمیل مظہری کا یہ شعر ملاحظہ فرمالیں۔

مقصود مرا صرف ہے اصلاحِ مفاسد
نشتر جو لگاتا ہے وہ دشمن نہیں ہوتا

فقط  خواجہ ساجد عالم لطیفی مصباحی

مدرسہ لطیفیہ خانقاہ رحمان پور، بارسوئی، کٹیہار، بہار

## آپ کا اداریہ بہت جامع اور معلوماتی ہے

مکرمی..............................سلام مسنون

ماہ جنوری ۲۰۱۴ء کا ماہنامہ اشرفیہ حضرت مولانا شہادت حسین فیضی کے معرفت ملا۔ خانقاہ برکاتیہ کے علمی وروحانی چشم وچراغ حضرت نظمی میاں قادری علیہ الرحمۃ اور فاضل اشرفیہ حضرت مولانا نصر اللہ رضوی علیہ الرحمۃ

والرضوان کے تعلق سے آپ کا اداریہ بہت ہی جامع اور معلوماتی ہے۔ اللہ تعالیٰ آپ کو اور آپ کی پوری ٹیم کو اپنے حبیب ﷺ کے صدقے میں تا دیر صحت وعافیت کے ساتھ رکھے۔ آمین فقط۔ غلام خیر الوریٰ رضوی

استاذ مدرسہ مدینۃ الرسول جلوہ آباد کوڈرما، جھارکھنڈ

## جماعت اہل سنت کی شیرازہ بندی

مکرمی.............................سلام مسنون

آج جماعت اہل سنت کی شیرازہ بندی کے لیے ارباب علم ودانش اپنی فکر وتدبیر کے ذریعہ آپس میں اختلافات کو پاٹنے کی حد درجہ کوشش کر رہے ہیں، مگر اس کے باوجود یہ طوفان دن بہ دن بڑھتا جارہا ہے۔ حد تو یہ ہے کہ فروعیات کو فرضیات کے درجے میں ڈال کر ذاتی بغض وعناد کو جماعتی سطح پر پروان چڑھایا جارہا ہے۔ کہیں اِس مفتی کا بائیکاٹ تو کہیں اُس تنظیم کا بائیکاٹ۔ اس طرح کی منفی سوچ وفکر نے طرح طرح کے بائیکاٹ کو خوب پروان چڑھایا ہے۔

ابھی حال میں ہند کے مختلف اطراف واکناف میں دعوت اسلامی کا بائیکاٹ زور وشور سے چل رہا ہے۔ سنی حضرات مبلغین کو دھکا دے کر باہر نکال رہے ہیں کہ یہ گم راہ فرقہ ہے، یہ فرقہ دعوت وسنت کے نام پر گمراہیت اور بددینی پھیلا رہا ہے۔

یہیں پر ایک حساس اور منصف مزاج شخص کے حاشیۂ ذہن میں چند سوالات ابھرتے ہیں: (۱) تبلیغی جماعت والوں کے ساتھ جیسا سلوک برتا جاتا تھا، آج دعوتِ اسلامی والوں کے ساتھ ویسا سلوک کیوں برتا جاتا ہے، کیا ان کے عقائد کفر یا حدِ کفر تک پہنچ گئے ہیں؟ (۲) کیا یہ جماعت سوادِ اعظم اہلِ سنت کے نہج سے ہٹ کر ہے؟ (۳) کیا معمولاتِ اہلِ سنت پر ان کا عمل نہیں ہے؟ (۴) کیا وہ مسلک اعلیٰ حضرت کے نام لیوا اور شیدائی نہیں ہیں؟ اگر ان تلخ اور چبھتے سوالات کے جوابات اثبات میں ہیں تو ہمیں اور آپ کو اس جماعت کا بدل پیش کرنا ہوگا، جس نے قوم کو گم راہ جماعت میں جانے سے روک لگا کر صوم و صلاۃ کا پابند بنا دیا۔ جس نے معاشرہ میں سنتوں کا گل دستہ پیش کیا۔ جس نے دنیا کے آبشاروں، کوہ ساروں اور مرغ زاروں کے دامنِ سیماب میں بسنے والوں کے قلوب میں مسلکِ اہلِ سنت کی روح پھونک دی۔ اگر جوابات منفی پہلو رکھتے ہیں تو عالمی پیمانے پر سیمینار منعقد کرواکے کوئی حل نکالنا چاہیے کہ ناک پر مکھی بیٹھ جائے تو مکھی کو بھگانا عقل مندی ہے نہ کہ ناک کاٹنا۔ اسی طرح ان میں خرابیاں ہیں تو ان کی اصلاح کی ضرورت ہے، نہ کہ سرے سے بائیکاٹ کرنے کی۔

دعوتِ اسلامی پر یہ کوئی نیا الزام نہیں ہے، بلکہ اس سے پہلے کئی بار یہ تنظیم موردِ الزام ٹھہر چکی ہے۔ دعوتِ اسلامی کے بانی قائدِ اہلِ سنت حضرت علامہ ارشد القادری جب تک بقیدِ حیات رہے، اس وقت تک زیادہ پروپیگنڈہ نہیں پھیل سکا۔ کیوں کہ قائدِ اہلِ سنت کی بھرپور حمایت حاصل تھی۔ ڈاکٹر غلام زرقانی اپنے مضمون ”علامہ ارشد القادری اور دعوتِ اسلامی“ میں جامِ نور کے توسط سے تحریر کرتے ہیں کہ جب قائدِ اہلِ سنت اپنی زندگی کے آخری دور سے گزر رہے تھے اس وقت حکیم سید محمد احمد کے زیرِ علاج تھے۔ اور اس سلسلے میں انہی کے ادارے جامعہ غوثیہ رضویہ پیر والی گلی، سہارن پور میں فروکش تھے۔ دورانِ قیام سلطان الہند حضرت خواجہ غریب نواز علیہ الرحمہ کے ۷۸۶ویں سالانہ عرس کی تاریخ آگئی اور ادارے میں ایک بڑی محفل کا انعقاد کیا گیا۔ اختتامِ محفل کے بعد ایک شخص دعوتِ اسلامی کے خلاف کتابچہ بعنوان ”ایمان کی حفاظت کیسے کریں“ تقسیم کرنے لگا۔ طلبہ کتابچہ لے کر حضرت علامہ کے پاس پہنچے اور انھیں صورتِ حال سے آگاہ فرمایا۔ حضرت نے کتابچہ دیکھتے ہی غصے میں فرمایا کہ جاؤ اسے فوراً روکو اور میرے پاس پکڑ کر لاؤ۔ طلبہ نے حکم کی تعمیل کرتے ہوئے حضرت کے روبرو کھڑا کیا۔ حضرت نے اس شخص کو خوب ڈانٹا پھٹکارا اور ڈانٹتے ڈانٹتے درد وکرب سے زار وقطار رونے لگے اور فرمایا کہ اگر مولانا الیاس قادری عطاری یا تحریکِ دعوتِ اسلامی بدعقیدہ اور وہابی تحریک ہے تو میں بھی ہوں کیوں کہ مولانا الیاس قادری کو امارت تفویض کرنے اور دعوتِ اسلامی کی تشکیل میں میرا ہی ہاتھ ہے۔“ (تلخیص ماہ نامہ جامِ نور، شمارہ مئی ۲۰۱۲ء، ص:۵۶ تا ۵۷)

جن کے شب وروز ردِ وہابیہ اور مسلکِ اعلیٰ حضرت کی پاس داری میں گزرے ہوں، ان کا یہ فرمانا کہ اگر مولانا الیاس قادری عطاری یا تحریک دعوت اسلامی بدعقیدہ اور وہابی تحریک ہے تو میں بھی ہوں“ اس بات پر دال ہے کہ تحریک اور امیرِ تحریک کے عقیدہ کے حوالے سے انھیں قابلِ وثوق اعتماد حاصل تھا۔ اور ان کی دور بیں نگاہیں دیکھ رہی تھیں کہ یہ سب الزامات بے بنیاد اور جماعتِ اہلِ سنت کو منتشر کرنے والے ہیں۔

اس باب میں علمائے اشرفیہ قابلِ مبارک باد ہیں جنھوں نے علامہ کے نقشِ قدم پر چلتے ہوئے اس جماعت کا بھرپور ساتھ دیا ہے۔ ابھی حال ہی میں ۲۸/ مارچ ۲۰۱۲ء کو مبارک پور میں دعوتِ اسلامی کے عظیم الشان اجتماع سے خطاب کرتے ہوئے فخرِ صحافت مولانا مبارک حسین مصباحی نے فرمایا کہ ”آج پھر میں یہ کہنا چاہتا ہوں کہ الجامعۃ الاشرفیہ اور دعوتِ اسلامی کا اتنا گہرا اور اٹوٹ رشتہ ہے جسے کوئی توڑنا بھی چاہے تو نہیں توڑ سکتا۔ یہ تحریک پوری دنیا میں تبلیغی جہاد کر رہی ہے، اس تحریک پر الجامعۃ الاشرفیہ اور حضور حافظ ملت کا خصوصی فیضان ہے۔“ (ماہ نامہ اشرفیہ، شمارہ اپریل ۲۰۱۲ء، ص:۵۶)

اخیر میں جملہ علما اور عوامِ اہلِ سنت سے مخلصانہ گزارش ہے کہ اس طرح کے بے بنیاد مسائل کے پنپنے پر مہمیز لگایا جائے۔ اور تمام خانقاہوں، تنظیموں

اور مدارس کو ایک دوسرے سے جوڑ کر کام کرنے کا لائحۂ عمل اختیار کیا جائے کہ اتحاد و اتفاق ہی کی بنیاد پر مثبت اور تعمیری کام وجود میں آسکتا ہے۔

متحد ہو گے تو کہلاؤ گے مومن غازی

منتشر ہو گے تو قسطوں میں صفایا ہو گا

فقط۔ محمد طاہر حسین مصباحی، بوکارو، دار العلوم شمسیہ، لاتیہار

## پر تشدد خطبات اور ان کا ردِ عمل

مکرمی.................................سلام مسنون

آج ہمارے خطبا ایک انقلاب برپا کر سکتے ہیں معلمِ کائنات ﷺ جیسا ماہر خطیب آج تک اس ارضِ گیتی پر پیدا ہوا نہ آئندہ ہو گا۔ رسولِ اعظم ﷺ نے لوگوں کی تعلیم و تربیت اور دعوت و ہدایت کے لیے قرآن کریم کی آیتِ مبارکہ کو اپنا اصول بنایا تھا۔ ادع الی سبیل ربك بالحکمۃ والموعظۃ الحسنۃ وجادلھم بالتی ھی احسن.

ترجمہ: لوگوں کو بلاؤ اللہ کی طرف پکی تدبیر اور اچھی نصیحت کے ساتھ اور ان سے اس طور پر بحث کرو جو سب سے بہتر ہو۔

نبی کریم ﷺ کی زندگی مبارک ارشادِ باری تعالیٰ یا ایھا الذین اٰمنوا لم تقولون مالا تفعلون کے مطابق قرآن کریم کی عملی تفسیر تھی۔ قول و عمل میں یکسانیت آپ کی حیات کا جزو لاینفک تھی جس بات کا حکم دیا پہلے خود اس پر عمل کر کے دکھایا، جہاد کا حکم دیا تو ۲۸/ غزوات میں صحابۂ کرام کے دوش بدوش نظر آئے، جنگِ احد میں زخمی ہوئے، معرکہ خندق میں پیٹ پر پتھر باندھے نظر آئے، عبادتِ خداوندی کا اعلان کیا تو آپ نے اپنی زندگی کی ساری راتیں عبادتِ الٰہی اور تہجد میں گزار دیں۔ دعوت و تبلیغ کی اہمیت و افادیت سے لوگوں کو روشناس کیا تو آپ کا عالم یہ تھا کہ آپ دن بھر تبلیغ کرتے، مسجدِ نبوی کے چبوترے میں متلاشیانِ علم صحابۂ کرام کو علم و حکمت کے چشمۂ لازوال سے سیراب کرتے، غرض کہ آپ کی زندگی کے جس گوشے پر نظر ڈالی جائے آپ کی ذات قول و عمل میں باہمی امتزاج کی پیکر نظر آتی ہے، لیکن آج ہماری دعوت و تبلیغ غیر مؤثر کیوں ہے؟ اس کا علاج کیا ہے؟ اس کا تدارک کیسے ممکن ہے؟ تو اس کی ایک اہم وجہ قول و عمل میں یکسانیت کا فقدان ہے۔ اسلام و سنیت کی نمائندگی کرنے والے ہمارے خطبا کو اس حقیقت کو سمجھنا ہو گا، کیوں کہ نبی پاک ﷺ پند و نصیحت اور تعلیم و ارشاد کے لیے جب منبر اقدس پر تشریف لاتے تو جہاں ترغیب و تبشیر اور فضائل و اعمال سے متعلق باتیں بتا کر حاضرین پر خوشی کی لہر دوڑاتے وہیں ترہیب اور آخرت کے ہول ناک واقعات سنا کر سامعین پر کپکپی بھی طاری کر دیتے، یہی وجہ تھی کہ صحابۂ کرام اپنے دلوں میں گناہ کا خیال تک نہیں لاتے تھے۔ لیکن آج ہمارے خطبا صرف ترغیب و تبشیر اور فضائلِ اعمال سے متعلق باتیں بتانے پر ہی اکتفا کرتے ہیں جس کا نتیجہ نگاہوں کے سامنے ہے کہ بھولے بھالے عوام میں عمل کا جذبہ مفقود ہے، وہ فضائل اعمال سے متعلق احادیث سن کر پھولے نہیں سماتے۔ بزرگوں کی کرامات اور دوسرے من گڑھت واقعات تو انھیں خوب یاد رہتے ہیں، لیکن اگر ان سے وضو کے فرائض پوچھ لیے جائیں، شرائطِ نماز پوچھ لی جائیں یا دیگر دوسرے ضروری مسائل پوچھ لیے جائیں تو ٹک ٹک دیدم دم نہ کشیدم والا منظر نگاہوں کے سامنے گردش کرنے لگتا ہے۔

نبی کریم ﷺ کا یہ دعوتی پہلو قرآن کریم کے اسلوب دعوت کے عین مطابق ہے، کیوں کہ قرآن نے جہاں کہیں بھی جنت اور اس کی آسائشوں کی بشارت سنائی ہے، وہیں جہنم اور اس کی ہولناکیوں کا دل سوز منظر بھی پیش کیا ہے۔ رسولِ اعظم ﷺ کی دعوت و تبلیغ کی سب سے بڑی خصوصیت حسن اخلاق اور صبر و تحمل تھا۔ جس نے بڑی بڑی مغرور پیشانیوں کو بارگاہ نبوت میں جھکا دیا اور جھوٹے معبودوں کی پرستش کرنے والوں نے اپنے مصنوعی خداؤں کی دہلیز سے منہ موڑ کر بارگاہِ رب العزت میں اپنی گردنیں جھکا دیں۔

آج بھی مجالس اور دینی اجتماعات کا رواج عام ہے۔ لیکن یہ مجلسیں اکثر افادیت سے خالی اور روحانیت سے دور نظر آتی ہیں۔ سامع اور خطیب دونوں کا ذوق بدل چکا ہے۔ عام خطبا وہ باتیں بولنا چاہتے ہیں جو مذہبی قواعد سے خالی اور دینی گہرائیوں سے عاری ہوتی ہیں، ہمارے خطبا کی باتیں اب لوگوں کے دلوں میں اترنے کے بجائے سروں سے گزر جاتی ہیں۔ لہٰذا ہمارے خطبا کو چاہیے کہ عمل کی تلقین کرتے ہوئے اور کسی پر تنقید اور نشتر زنی نہ کرتے ہوئے آیتِ کریمہ ادع الیٰ سبیل ربك بالحکمۃ والموعظۃ الحسنۃ کی روشنی میں مسلمانوں کے دلوں کو عمل کی طرف راغب کریں تاکہ ہماری مسجدیں ہماری پیشانیوں سے آباد ہو جائیں۔ اور باہمی ادب و احترام کا پاکیزہ جذبہ جاگزیں ہو جائے۔ فقط

محمد عدنان رضا

متعلّم درجہ سابعہ، دار العلوم اسحاقیہ، جودھ پور


ماہ نامہ اشرفیہ حاصل کریں

**کرناٹک میں**

مولانا مراد علی شاہ، بامن ہالی

بیگور روڈ، بنگلور (کرناٹک) 560068

**جھارکھنڈ میں**

مولانا محمد جسیم الدین، مقام و پوسٹ کسکو

ضلع لوہردگا (جھارکھنڈ) 835305

# وفیات

## جامعہ اشرفیہ مبارک پور میں مولانا اسید الحق محمد عاصم قادری بدایونی کی شہادت پر تعزیتی اجلاس

خانقاہ قادریہ بدایوں شریف صدیوں پرانی خانقاہ اور دانش گاہ ہے اس میں مختلف زمانوں میں بلند پایہ صوفیا اور علما پیدا ہوئے مولانا اسید الحق قادری علیہ الرحمۃ اسی عظیم علمی اور روحانی خانقاہ کے چشم و چراغ تھے۔ مولانا نے گزشتہ چند برسوں میں وہ کر دکھایا کہ خانقاہوں کی دنیا اس کی مثال پیش کرنے سے قاصر ہے۔ مولانا مرحوم خانقاہ قادریہ کے ولی عہد اور نوجوان عالم دین کے ساتھ درجنوں کتابوں کے مصنف و مرتب تھے وہ علمِ تفسیر، علم حدیث اور علم ادب پر بڑی گہری نگاہ رکھتے تھے، اس نوجوانی میں وہ اپنی مثال آپ تھے، مولانا بہت ذہین، دور اندیش، بزرگوں کے مؤدب، مستقبل شناس اور مذہب اہل سنت کا سچا درد رکھنے والے تھے۔ اس بے مثال عالم دین کے دنیا سے رحلت کر جانے سے جماعت اہل سنت میں ایک بہت بڑا خلا پیدا ہوا ہے۔ آپ اپنے والد گرامی حضرت شاہ محمد سالم القادری اور دیگر مریدین کے ساتھ خانقاہ قادریہ بغداد شریف گئے تھے، ۴؍ مارچ ۲۰۱۴ء کو ان کے سر میں کسی دہشت گرد کی گولی لگی اور وہ شہید ہو گئے۔ مولانا برکاتی نے آگے کہا کہ ان کی شہادت کی خبر سے پوری جماعت اہل سنت متاثر ہوئی ہے۔ ان خیالات کا اظہار مولانا مسعود احمد برکاتی استاذ جامعہ اشرفیہ نے عزیز المساجد میں منعقدہ تعزیتی اجلاس میں کیا۔

تنظیم ابنائے اشرفیہ مبارک پور کے جنرل سکریٹری مولانا مبارک حسین مصباحی نے کہا کہ مولانا اسید الحق قادری جامعہ ازہر مصر کے نوجوان فاضل تھے، مولانا جدید علوم و فنون پر گہری نظر رکھتے تھے، خانقاہ قادریہ بدایوں شریف ایک عظیم الشان اور تاریخی خانقاہ ہے اس خانقاہ میں عظیم ترین علما اور افاضل روزگار پیدا ہوئے، اس خانقاہ کا روحانی رشتہ صدیوں سے خانقاہ عالیہ برکاتیہ مارہرہ مطہرہ سے رہا ہے، اور عقیدت و محبت کے یہ رشتے آج بھی باقی اور روز افزوں ہیں۔ مولانا اسید الحق قادری سے ہمارا گہرا تعلق تھا، وہ اپنی ادائے حیات اور طرز فکر و ادا میں اپنی مثال آپ تھے۔ وہ عظیم مدرس، بلند پایہ محقق اور صحافی و خطیب تھے، تجزیہ نگاری میں دور دور تک ان کی مثال نظر نہیں آتی۔ وہ کام میں اصول اور اوقات کے پابند تھے گذشتہ دنوں انھوں نے خانقاہ عالیہ قادریہ بدایوں کے مشائخ اور مدرسہ قادریہ کے اکابر کی تقریباً سو کتابیں شائع کیں اور خاص بات یہ ہے کہ ان میں ایک اہم تعداد مرحوم کے تصانیف و تالیفات کی بھی تھی۔ صحیح اور سچی بات یہ ہے کہ ان کا اچانک جدا ہو جانا ایک قیامت صغریٰ ہے۔ مختلف ذرائع سے معلوم ہوا کہ ان کی تجہیز و تدفین غوث اعظم حضرت شیخ عبد القادر جیلانی علیہ الرحمۃ کے خانقاہی قبرستان بغداد شریف میں ادا کی گئی۔ آہ! پہنچی وہیں پہ خاک جہاں کا خمیر تھا۔ مولیٰ تعالیٰ اپنے حبیب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے طفیل مرحوم کی مغفرت فرمائے والدین، برادران اور اہل خاندان و جملہ متعلقین و متوسلین کو صبر و شکر کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

واضح رہے کہ مولانا موصوف کے شہادت کی خبر ملتے ہی پورا جامعہ اشرفیہ غم و اندوہ میں ڈوب گیا اور بعد نماز عشا اساتذہ اور طلبۂ جامعہ نے قرآن خوانی کر کے شہیدِ راہِ بغداد مولانا اسید الحق قادری بدایونی کی روح کو ایصال ثواب کیا۔ اخیر میں صلوۃ و سلام اور مولانا مسعود احمد برکاتی کی رقت آمیز دعا پر اجلاس کا اختتام ہوا۔

اس موقع پر مولانا نفیس احمد مصباحی، مولانا صدر الوریٰ قادری، مفتی نسیم احمد مصباحی، مفتی زاہد علی سلامی، مولانا حسیب اختر مصباحی، مولانا ساجد علی مصباحی، مولانا دستگیر عالم مصباحی، مولانا ہارون مصباحی، مولانا اشرف مصباحی، مولانا حبیب اللہ بیگ، ماسٹر فیاض احمد عزیزی، مولانا خالد ایوب مصباحی، مولانا منظر عقیل مصباحی، مولانا عالم گیر مصباحی وغیرہ کے علاوہ جامعہ کے اساتذہ اور کثیر طلبہ موجود تھے۔

محمد رحمت اللہ مصباحی آفس انچارج تنظیم ابنائے اشرفیہ مبارک پور

## مولانا قاری محمد نسیم القادری کا سانحۂ ارتحال

۲۳؍ نومبر ۲۰۱۳ء بروز سنیچر بعد نمازِ عصر وانجہ واڑی مسجد ماہم شریف میں فخر القرا حضرت مولانا قاری محمد نسیم القادری عزیزی مصباحی کی تقریبِ فاتحہ اور چہلم شریف کی روحانی محفل کا انعقاد ہوا، جس میں علاقہ ماہم و دھاراوی، باندرہ و کرلا کے ائمہ و علما کے علاوہ شہر ممبئی کے مصباحی علما اور ان کے ارادت مندوں نے بڑی تعداد میں شرکت کی، بعد نمازِ عصر قرآن خوانی کا اہتمام کیا گیا، بعد نمازِ عشا باضابطہ محفل کا آغاز ہوا جس میں شرکا نے اپنے اپنے انداز سے رنج و غم کا اظہار کیا۔

الجامعۃ الاشرفیہ مبارک پور کے آفس گھرپ دیو کے چیف انچارج قاری محمد شرف الدین مصباحی استاذ سنی دار العلوم محمدیہ ممبئی نے بڑے پر سوز انداز میں حضرت قاری صاحب علیہ الرحمۃ سے اپنی عقیدتوں کا اظہار کیا، انھوں نے

تفصیل سے قاری صاحب علیہ الرحمۃ کی خدمات پر روشنی ڈالی اور بتایا کہ حضرت قاری صاحب نے وانجہ واڑی مسجد میں تقریباً چالیس سال بے لوث امامت و خطابت کے فرائض انجام دیے۔ پورا علاقہ آپ کے حسنِ اخلاق کا معترف تھا، لوگ پروانہ وار آپ سے خلوص و محبت رکھتے تھے، سیکڑوں نوجوانوں نے آپ سے اکتسابِ فیض کیا۔

ابتدا میں آپ نے اپنے مادرِ علمی الجامعۃ الاشرفیہ مبارک پور میں پانچ سال تک فن تجوید و قراءت کی خدمات انجام دیں، اس کے بعد سنی دار العلوم محمدیہ سے وابستہ ہوئے اور ایک عرصہ تک طلبہ کی علمی تشنگی کو دور کرتے رہے، آپ علم کے ساتھ عملی میدان کے جاں باز سپاہی تھے۔ ممبئی میں آپ کی شخصیت الجامعۃ الاشرفیہ کے لیے سرپرست کی تھی، ان کا ایک ایک لمحہ الجامعۃ الاشرفیہ کے فروغ و ارتقا کے لیے وقف تھا، اور ادارہ کے لیے حسب حیثیت ہر طرح سے مالی تعاون پیش کرانے میں سرفہرست رہے۔

الجامعۃ الاشرفیہ کے ساتذہ و طلبہ بھی حضرت کی شخصیت سے کافی مانوس تھے اور آپ کی مساعیِ جمیلہ کو بڑی قدر کی نگاہ سے دیکھتے تھے۔

آخر میں حضرت قاری اسلام اللہ عزیزی ماہم شریف نے قاری صاحب کو خراجِ عقیدت پیش کیا اور ان کی ترقیِ درجات کے لیے دعائیں کیں، انھوں نے کہا کہ قاری صاحب کے جانے سے حلقۂ احبابِ اشرفیہ میں زبردست خلا پیدا ہو گیا ہے، انھوں نے اپنے رنج و غم کا اظہار زبانِ قال کے بجائے زبانِ حال سے زیادہ کیا، انھوں نے کہا کہ انشاء اللہ قاری صاحب کی کمی محسوس نہیں ہونے دی جائے گی۔ میں ان کی جگہ پر خدمت کے لیے ہر طرح تیار ہوں۔

حضرت قاری صاحب کا آبائی وطن ضلع سلطان پور (یو پی) تھا، پس ماندگان میں ان کے فرزند قاری عبداللہ سلیم قابلِ ذکر ہیں، جو ان کے اخلاق و کردار کے مکمل آئینہ دار ہیں، کم گوئی، متانت و سنجیدگی ہے اور خوش اسلوبی سے کام کرتے رہیں۔ عوامِ اہلِ سنت اور قاری صاحب کے عقیدت مندوں اور اربابِ اشرفیہ کو پورا اعتماد ہے کہ انشاء اللہ قاری عبداللہ سلیم اپنے والد گرامی کی کامیاب طریقے سے جانشینی و نیابت کرتے رہیں گے۔ صلاۃ و سلام اور قاری اسلام اللہ عزیزی کی دعا پر محفل کا اختتام ہوا، حاضرین کے لیے لنگر عزیزی کا شاندار اہتمام کیا گیا تھا۔

از: دفتر انچارج الجامعۃ الاشرفیہ، گھٹ کوپر دیو، ممبئی

## مولانا حبیب اختر مصباحی کی والدہ کا وصال پر ملال

حافظ ملت انسٹی ٹیوٹ مبارک پور کے انچارج مولانا حبیب اختر مصباحی کی والدہ حبیبہ خاتون کے انتقال پر ملال پر ایک تعزیتی نشست کا انعقاد کیا گیا جس میں انسٹی ٹیوٹ کے استاذ مولانا اسلم مصباحی نے کہا کہ مولانا موصوف کی والدہ ماجدہ کی طبیعت کافی دنوں سے علیل چل رہی تھی اچانک ۶/ فروری ۲۰۱۴ء جمعرات کی شب میں ان کا انتقال ہو گیا، آپ ۷۵/ سال کی ہو چکی تھیں۔ آپ نے اظہار تعزیت کرتے ہوئے کہا کہ مولانا کے غم میں ہم سب شریک ہیں، اللہ تعالیٰ مرحومہ کو جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام عطا فرمائے۔

جامعہ کے طلبہ نے مرحومہ کے لیے ایصال ثواب کی ایک محفل منعقد کی جس میں قرآن خوانی و فاتحہ خوانی کر کے مرحومہ کی روح کو ایصال ثواب کیا گیا اور مرحومہ کے لیے بلندیِ درجات اور وارثین کے لیے صبر و تحمل کی دعائیں کی گئیں۔ ماہنامہ اشرفیہ کے نائب مدیر مولانا طفیل احمد مصباحی نے کہا کہ مرحومہ کی عمر کافی ہو چکی تھی، مرحومہ صوم و صلوۃ کی پابند ہونے کے ساتھ دیندار، ملنسار اور خدمت خلق میں پیش پیش رہنے والی خاتون تھیں۔ اللہ تعالیٰ ان کی روح کو جوار رحمت میں جگہ عنایت فرمائے اور پس ماندگان کو صبر جمیل عطا فرمائے۔ واضح رہے کہ مرحومہ کی تجہیز و تدفین ان کے آبائی وطن گڑھوا میں ہوئی، کثیر تعداد میں لوگوں نے نماز جنازہ میں شرکت کی۔ اس موقع پر مولانا عرفان عالم مصباحی، مولانا ناصر حسین مصباحی، مولانا محمد ہارون مصباحی، مولانا شہباز عالم مصباحی، ماسٹر فیاض احمد، ماسٹر مہتاب عالم پیامی، مولانا عالم گیر مصباحی، وغیرہ کے علاوہ کثیر تعداد میں طلبہ موجود تھے۔

از: محمد رحمت اللہ مصباحی: تنظیم ابنائے اشرفیہ مبارک پور۔

## مولانا محبوب عزیزی کی والدہ کا انتقال

ماہ نامہ اشرفیہ کے منیجر مولانا محمد محبوب عزیزی کی والدہ ساجدہ خاتون ۱۷/ فروری ۲۰۱۴ء بروز پیر بوقت ۸/ بجے صبح انتقال کر گئیں۔ انا للہ و انا الیہ راجعون۔ مرحومہ ۷۵/ برس کی تھیں اور گزشتہ کئی برس سے مسلسل بیمار چل رہی تھیں، مرحومہ صوم و صلاۃ کی پابند، متقی و پرہیزگار اور نہایت خوش اخلاق و ملنسار خاتون تھیں۔ حضرت علامہ عبدالشکور مصباحی شیخ الحدیث جامعہ اشرفیہ نے نمازِ جنازہ پڑھائی اور بعد نمازِ عصر محلہ علی نگر، مبارک پور کے قبرستان میں مرحومہ کو سپردِ خاک کیا گیا۔ جنازے میں مسلمانوں کی بڑی تعداد نے شرکت کی۔ جامعہ اشرفیہ کے اساتذۂ کرام اور دیگر اسٹاف بھی شریکِ جنازہ ہوئے اور مولانا محبوب عزیزی اور ان کے برادران کو تعزیت اور صبر و شکر کی تلقین کی۔ اللہ تبارک و تعالیٰ مرحومہ کو جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام عطا فرمائے۔ پس ماندگان کو صبر جمیل و اجر جزیل سے نوازے۔ قارئین ماہ نامہ اشرفیہ سے دعاے مغفرت کی درخواست ہے۔ (ادارہ)

# عالمی خبریں

## جامعہ امام احمد رضا احسن البرکات نیو کاسل ساؤتھ افریقہ کا سالانہ جلسۂ دستار بندی۔ ”حافظ ملت ایوارڈ“ اور حضرت عزیزِ ملّت کا استقبال

الحمد للہ جامعہ امام احمد رضا احسن البرکات نے اپنے سالانہ جلسۂ دستار بندی کا انعقاد کیا جس میں ملک و بیرون ملک کے علمائے کرام و شعرائے عظام نے شرکت فرمائی۔ ۱۹ محرّم الحرام کو قادری لنگر کے بعد نماز عشا ادا کی گئی اور پھر فخر القرّا حافظ و قاری بدر عالم نظامی استاذ جامعہ ہذا کی تلاوت قرآن پاک سے مبارک محفلِ نعت کا آغاز ہوا۔ ناظم اجلاس مولانا قیصر علی رضوی مصباحی نے اپنے مخصوص انداز میں عالمی شہرت یافتہ بلبلِ باغ مدینہ اسد اقبال کلکتوی کو پیش کیا۔ آپ نے مسلسل پونے ۳ گھنٹے تک نعت و منقبت کی روحانیت بکھیری اور تقریباً ۱۲ بجے شب صلاۃ و سلام اور حضرت مولانا شاہ محمد رضوی کی دعاؤں کے ساتھ یہ محفل کامیابی کے ساتھ اختتام پذیر ہوئی۔

دوسرے روز ۲۰ محرّم الحرام کو ساڑھے دس بجے دن احمد منوّر متعلّم جامعہ ہذا کی تلاوت سے محفل دستار بندی کا آغاز ہوا۔ طلبۂ جامعہ نے نعت و منقبت اور خطاب پر مشتمل اپنا نہایت اثر انگیز اور مثالی ثقافتی پروگرام پیش کیا۔ بعدہ مولانا محمد موسیٰ رضا قبلہ اور اسد اقبال کلکتوی نے گلہائے نعت و منقبت پیش کیے۔ اور پھر فارغین طلبہ کی مشائخ اہل سنت کے مقدس ہاتھوں دستار بندی ہوئی اور سال رواں کے ممتاز طالب علم کو ”حافظ ملت ایوارڈ“ سے نوازا گیا۔

مفتی محمد شمس الحق قادری مصباحی نے فارغین طلبہ سے اساتذہ ،علما اور عوام اہل سنت کے سامنے بصد اخلاص و محبت شریعت کی پابندی ، تبلیغ دین ،اشاعت مسلک اعلیٰ حضرت اور خدمت خلق کا عہد لیا۔ جامعہ کی ترقی اور علم و عمَل کے رضوی و برکاتی فیضان کا یہ روح پرور منظر دیکھ کر عوام تو عوام علما و دانشوران کی بھی آنکھیں چھلک اٹھیں۔

مفتی صاحب نے اپنے مختصر خطبۂ استقبالیہ میں جامعہ کے تعلیمی نظم ونسق اور اس کی کامیاب پالیسیوں کی ترقیاتی رپورٹ پیش فرماتے ہوئے فرمایا کی یہ ”ایوارڈ“ فرزندان اشرفیہ ساؤتھ افریقہ کی طرف سے بارگاہ حافظ ملت میں ایک حسین خراج عقیدت ہے۔ حضور حافظ ملت کی پیاری زندگی علما اور طلبۂ مدارس اسلامیہ کے لیے نمونۂ علم و عمل ہے۔ آپ ایک نہایت محنتی ،نیک ، سعادت مند ، مؤدب ، اپنے اساتذہ کے محبوب نظر اور ممتاز طالب علم تھے۔ ہماری دعا اور کوشش یہی ہے کہ ہمارے جامعہ کا ہر طالب علم حضور حافظ ملت کے نقش قدم پر چل کر دنیا اور آخرت کی کامیابیاں حاصل کرے۔ آپ نے تمام معاونین ،علما اور حاضرین کے ساتھ اپنے اساتذہ ،جملہ رفقائے کار کا شکریہ ادا کیا۔

حضرت مولانا سیّد مہدی میاں چشتی گدّی نشین اجمیر شریف نے دونوں محافل کی صدرات فرمائی اور آپ نے اپنے صدراتی خطاب میں تمام وابستگان جامعہ کو ہدیۂ تبریک پیش کیا اور مفتی محمد شمس الحق قادری مصباحی کی زبردست دینی خدمات کے لیے ان کی مخصوص چشتی دستار بندی سے تکریم فرمائی۔ اخیر میں مفتی صاحب نے مقرر خصوصی حضرت مولانا محمد آفتاب قاسم رضوی کی بارگاہ میں ان کی اعلیٰ دینی خدمات کے اعتراف میں جامعہ کی طرف سے ”سپاس نامہ اور اعلیٰ حضرت ایوارڈ“ پیش فرمایا۔ آپ نے خوف خدا، خوش عقیدگی اور مسلک اعلیٰ حضرت پر نہایت موثر گفتگو فرمائی۔ صلاۃ و سلام ، دعا اور نماز ظہر کے بعد تمام حاضرین برکاتی لنگر کی روحانی لذت آفرینی سے شاد کام ہوئے۔

حضرت مولانا سیّد مہدی میاں دام ظلہ العالی اور مفتی محمد نسیم اشرف حبیبی کے مبارک ہاتھوں جامعہ کی نئی عمارت کا سنگِ بنیاد رکھا گیا۔ موجود تمام علما و مشائخ نے دعائیں کیں۔

حضرت مولانا فتح احمد، مولانا حافظ حمید الحق زمبابوے، مولانا عبد الحی رضوی، مولانا موسی رضا رضوی، مولانا شاہ فیصل رضوی گونڈوی، مولانا محمد انور رضوی، مولانا محمد قاسم عمر رضوی جوہنس برگ، مولانا محمد امیر علی رضوی، مولانا محمد شمیم رضوی لیڈی اسمتھ وغیرہم علما و مشائخ نے محفل کو رونق بخشی۔

فخر اہل سنّت حضور عزیزِ ملّت سربراہِ اعلیٰ جامعہ اشرفیہ، مبارکپور کی ساؤتھ افریقہ آمد پر جامعہ نے ایک پر تپاک استقبالیہ کا اہتمام کیا۔ جوہنس برگ سے عقیدت مندوں کی ایک جماعت آپ کے ساتھ تھی۔ آپ نے جامعہ کی ترقی دیکھ کر اپنی دلی خوشی کا اظہار فرمایا۔ بانیٔ ادارہ و جملہ وابستگان کو مبارکباد، نصیحتوں اور دعاؤں سے نوازا۔

از: حبیب الرحمن خان نظامی مصباحی، استاذ جامعہ امام احمد رضا احسن البرکات، نیو کاسل، ساؤتھ افریقہ

# خیر و خبر

## تنظیم نقشبندیہ کے زیر اہتمام جلسہ رحمت عالم کانفرنس اور عرس امام الاولیا کا انعقاد

دنیا میں جتنے بھی انبیا و رسل تشریف لائے اللہ تعالیٰ نے سبھوں کو مختلف معجزات و کمالات کے ساتھ بھیجا لیکن جب نبی آخر الزماں محمد مصطفےٰ ﷺ کو اس فرش گیتی پر مبعوث فرمایا تو حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر حضرت عیسیٰ علیہ السلام تک جتنے بھی انبیا و رسل ہیں سب کے معجزات و کمالات کو اللہ تعالی نے ہمارے آقا و مولیٰ محمد رسول اللہ ﷺ میں مجتمع فردیا۔ مذکورہ خیالات کا اظہار مفکر اسلام مولانا مبارک حسین مصباحی چیف ایڈیٹر ماہنامہ اشرفیہ مبارک پور نے تنظیم نقشبندیہ کے زیر اہتمام محلہ پورہ دیوان بھیلی بازار میں منعقدہ عظیم الشان رحمت عالم کانفرنس اور عرس امام الاولیا سے خطاب کرتے ہوئے کیا۔ انھوں نے مزید کہا کہ اسلام کی مکمل روشنی قرآن ہے ،قرآن معلم کائنات ﷺ پر بذریعہ وحی نازل ہونے والی ایک ایسی مقدس کتاب ہے جس میں آج ہزاروں سال بعد بھی ایک نقطے کا ردو بدل نہ ہوا اور نہیں رہتی دنیا تک ہوگا۔ قیامت تک دنیا میں ہونے والی ایسی کوئی ترقی موجود نہیں جو قرآن مقدس میں موجود نہ ہو جملہ آسامانی کتابوں میں ایک ہمارا قرآن ہی ہے جس کی حفاظت کا ذمہ خود پروردگار عالم نے لی ہے ۔ جتنی بھی آسمانی کتابیں ہیں ان میں سے کسی کو درخت کی پتیوں پر تو کسی کو پیڑ کی چھالوں پر لکھا جاتا تھا مگر وہ مقدس کتاب جس کا نزول ہمارے پیارے آقا پر ہوا اللہ تعالی نے اسے لوگوں کے دلوں پر نقش کردیا۔ مولانا نے آگے کہا کہ اسلام کے دشمن قرآن کو مٹانے کی بات کرتے ہیں انھیں سمجھنا چاہئے کہ بالفرض اگر دنیا کے ہر گوشے سے قرآن کے نسخے کو مٹا دیا گیا تو بھی ہزاروں اور لاکھوں کی تعداد میں قرآن کو اپنے سینے میں محفوظ کئے ہوئے حفاظ کرام سامنے آ جائیں گے اور الحمد سے لے کر سورۂ الناس تک پڑھ کر یہ بتادیں گے کہ کلام الٰہی نہ کبھی مٹا تھا نہ مٹا ہے اور نہ قیامت تک اسے کوئی مٹا پائے گا۔ کلام اللہ کو مٹانے والے خود ہی مٹ گئے۔

نبیرۂ حافظ ملت مولانا نعیم الدین عزیزی نے خطاب کرتے ہوئے کہا کہ اللہ نے اپنے مقدس کلام میں فرمایا کہ "کیا جاننے والے اور نہ جانے والے برابر ہیں" ہرگز نہیں۔ آگے کہا کہ فرمان خداوندی تو ہے کہ عالم و جاہل، بینا اور نابینا، مالدار و سخی، بادشاہ و فقیر برابر نہیں یہ تو حق ہے۔ لیکن آج کا مشاہدہ یہ کہ رہا ہے کہ عالم عالم میں جاہل جاہل میں آنکھ والے اور انکھیارے میں بھی فرق ہے ایک بینا دوسرے بینا کے برابر نہیں ہمارا دیکھنا اور ہے صحابہ کرام کا دیکھنا اور ہے، انھوں نے مثال سے واضح کرتے ہوئے کہا کہ اگر ہمارے اور کسی چیز کے درمیان پردہ حائل ہوجائے تو پردے کے اس پار کی چیز ہمیں نظر نہیں آتی مگر اللہ کے کچھ برگزیدہ بندے ایسے ہیں جن کی بصارت اور کسی شئ کے درمیان ہزاروں پردے حائل ہوجائیں تو پھر بھی ان کی بصارت میں کوئی فرق نہیں ہوگا اور وہ ہزاروں پردے کے باوجود اس پار کی چیزوں کا مشاہدہ اسی طرح کرلیتے ہیں جیسا کہ بغیر کسی چیز کے حائل کے۔ انھوں نے آگے کہا کہ اس طرح کے بے شمار واقعات ہیں جس کے پڑھنے کے بعد معلوم ہوتا ہے کہ اللہ والوں کے لیے پردہ کا حائل ہونا کوئی معنی نہیں رکھتا۔ نوجوانوں سے مخاطب ہوکر کہا کہ اے لوگو نبی پاک کی سیر کو اپناؤ اور اللہ کے نیک بندوں کے نقش قدم پر چلو تمھاری دنیا و آخرت دونوں سنورتی ہوئی نظر آئے گی ان کے علاوہ مولانا معتصم باللہ ٹانڈوی نے بھی عوام سے خطاب کیا۔ جلسہ کا آغاز قاری ریاض الدین کے تلاوت قرآن سے ہوا۔

صدارت شیخ الحدیث جامعہ اشرفیہ علامہ عبد الشکور مصباحی اور نظامت مولانا قیصر اعظمی نے کی جب کہ سرپرستی علامہ سید حامد حسن الجیلانی سجادہ نشین خانقاہ حضوریہ اور حمایت علامہ سید اشرف الجیلانی نے کی۔ واضح رہے کہ بعد نماز فجر قرآن خوانی و حلقۂ ذکر، بعد نماز ظہر تقسیم لنگر ،بعد نماز عشا جلسہ کا آغاز ہوا بعدہ شبیر عزیزی ، قاری غلام محمد سری لنکا، حافظ جمال احمد اور تنویر احمد وغیرہ نے بارگاہ رسالت میں منظوم خراج عقیدت پیش کیا۔ اور ایک بج کر ۵۵ منٹ پر قل شریف ہوا۔

اس موقع پر مفتی زاہد علی سلامی ، سابق چیرمین الحاج محمد یونس انصاری ،اتر پردیش مدرسہ تعلیمی بورڈ کے سابق ممبر ماسٹر ارمان احمد خان، مولانا اسلم مصباحی، مولانا نعیم اختر امام راجہ مبارک شاہ، علاء الدین زمزم حضوری، شبیر احمد، محمد اشہد، محمد اسماعیل، غوث القمر، محمد سعید، محمد ارشد، نوشاد احمد، معین الدین قریشی، حافظ جمال ہاشم، حاجی مشتاق احمد،

حافظ نفیس احمد، مولانا اقبال اور مولانا عالم گیر وغیرہ کے علاوہ تنظیم کے جملہ ذمہ داران ومعزز سامعین کثیر تعداد میں موجود تھے۔

محمد رحمت اللہ مصباحی

## جشن غوث الوریٰ ومقابلہ نعت ومنقبت

غوث اعظم رضی اللہ عنہ جس طرح ولایت کے سردار ہیں اسی طرح فقاہت کے بھی سردار ہیں، جس کے اندر فقاہت کا رنگ غالب ہوتا ہے وہ فقیہ کہلاتا ہے اور جس کے اندر ولایت کا رنگ غالب ہوتا ہے وہ ولی کہلاتا ہے۔ مذکورہ خیالات کا اظہار جامعہ اشرفیہ کے صدر مفتی نظام الدین رضوی نے تنظیم فلاح المسلمین طلبۂ جامعہ اشرفیہ مبارک پور کے زیر اہتمام جامعہ اشرفیہ کے عزیزی ہاسٹل میں منعقدہ ''جشن غوث الوریٰ و مقابلہ نعت و منقبت'' سے حضور غوث اعظم کی سیرت طیبہ اور ان کی ولایت وفقاہت پر نہایت ہی پر مغز خطاب کرتے ہوئے کیا۔ انھوں نے مزید کہا کہ غوث اعظم رضی اللہ عنہ ولایت و فقاہت دونوں میں ممتاز ہیں۔ حکم الٰہی پاکر جب غوث اعظم نے ولایت کے سرداری کا اعلان فرمایا تو روئے زمین پر موجود حتی کہ قیامت تک ہونے والے اولیاے کرام نے گردنوں کو جھکا دیا اور غوث پاک کی غلامی کا پٹہ اپنی گردنوں میں ڈال لیا۔

مولانا شمس الہدیٰ مصباحی استاذ جامعہ اشرفیہ نے بھی طلبہ سے وقت اور علم دین کی اہمیت و افادیت پر مدلل ومفصل اور نصیحت آمیز خطاب فرمایا۔

واضح رہے کہ مذکورہ مقابلہ میں تقریباً ایک درجن طلبہ نے حصہ لے کر نعت ومنقبت کے اشعار پیش کیے۔ جس میں اول محمد تنویر رضا گڈا، دوم محمد سمیر مہاراشٹرا اور سوم پوزیشن محمد دارالسلام اتردیناج پور نے حاصل کرکے خصوصی انعام کے مستحق ہوئے۔ بقیہ شرکا کو بھی تشجیعی انعامات کے طور پر بیش قیمتی کتابیں دی گئیں۔ ساتھ ہی ممتحنین واسٹیج پر موجود جملہ اساتذہ کو بھی تنظیم کی جانب سے تحائف پیش کیے گئے۔ مولانا نفیس احمد مصباحی، مولانا صدر الوریٰ مصباحی مفتی زاہد علی سلامی اور مولانا ساجد علی مصباحی استاذ جامعہ اشرفیہ نے جج کے فرائض انجام دیے۔ اور محمد محسن رضا نے قصیدہ بردہ شریف پیش کیا۔

پروگرام کا آغاز قاری محمد عابد بہرائچی کے تلاوت قرآن پاک سے ہوا۔ صدارت نبیرۂ حافظ ملت مولانا نعیم الدین عزیزی جامعہ اشرفیہ اور نظامت مولانا سرفراز نے کیا۔

اس موقع پر دیگر اساتذۂ کرام بھی موجود تھے۔

از: محمد رحمت اللہ مصباحی، تنظیم ابنائے اشرفیہ مبارک پور

## جامعہ اشرفیہ کے نائب صدر صوفی نظام الدین وناظم اعلیٰ حاجی سرفراز احمد ایوارڈ سے نوازے گئے

تنظیم فدایان عزیز ملت کے زیر اہتمام محلہ پرانی بستی مبارک پور میں ایک شاندار نعتیہ پروگرام کا انعقاد کیا گیا، جس میں مقامی و بیرونی انجمنوں نے شرکت کرکے بارگاہ رسالت میں منظوم خراج عقیدت پیش کیا۔ پروگرام کا آغاز حافظ ہلال احمد کی تلاوت قرآن سے کیا گیا۔ بعدہ انجمن غوثیہ نے ترانہ پیش کر کے سامعین کے دلوں کو منور کیا۔ پھر یکے بعد دیگرے انجمن رحمانیہ پرانی بستی، فیضان رضا ادری، اظہار اشرف پورہ صوفی، غنچۂ ہاشمیہ پورہ صوفی، گلزار مصطفےٰ خیر آباد، فیضان مصطفےٰ نوادہ، ملت اسلامیہ پورہ صوفی، مظلومیہ رجسٹرڈ پورہ خضر، فیض عام پورہ رانی، غوثیہ پرانی بستی، اخلاقیہ حیدر آباد اور فیضان عزیزی پورہ خواجہ وغیرہ انجمنوں نے اپنے اپنے کلام پیش کرکے سامعین کے دلوں کو منور کیا۔ واضح رہے کہ اس موقع پر قصبہ کی دو اہم شخصیتوں صوفی نظام الدین نائب صدر جامعہ اشرفیہ مبارک پور اور حاجی سرفراز احمد ناظم اعلیٰ جامعہ اشرفیہ مبارک پور کو بدست حاجی سلطان احمد تنظیم فدایان عزیز ملت کی جانب سے ان کی دینی، ملی اور سماجی خدمات پر مخصوص ایوارڈ اور دیگر تحائف سے نوازا گیا اور ان کی حوصلہ افزائی کی گئی۔ اخیر میں پروگرام میں شریک جملہ انجمنوں کو انعامات دے کر ان کی بھی حوصلہ افزائی کی گئی۔ پروگرام کا اختتام صلوۃ و سلام اور نبیرۂ حافظ ملت مولانا نعیم الدین عزیزی کی رقت آمیز دعاؤں پر ہوا۔

پروگرام کی صدارت حاجی سلطان احمد اور نظامت دھنباد جھارکھنڈ سے تشریف لائے مولانا غلام سرور قادری نے کی۔

اس موقع پر مولانا جمال ہاشم، حاجی محمد رشید، حاجی شمس الدین، شکیل احمد سہارا، منیر احمد، ڈاکٹر فہیم عزیزی، بدرالدین سکریٹری حاجی محمد افتخار عادل، حاجی محمد احمد، انوار الحسن، اعجاز احمد، حاجی عبد المبین، حاجی ریاض احمد، محمد ہاشم، محمد انیس، ابوذر، محمد رضا، نورالحق، محمد علی، محمد مسیم، محمد ذیشان اور محمد شہباز وغیرہ کے علاوہ مذکورہ تنظیم کے جملہ ذمہ داران و معزز سامعین کثیر تعداد میں موجود تھے۔

از: محمد رحمت اللہ مصباحی، تنظیم ابنائے اشرفیہ مبارک پور

☆☆☆☆☆